# میراث میں عدل

علامہ شاہ محمد ابوالخیر صاحب اسدی

مکتبۂ اعلیٰ
محلہ سادات بیرون دہلی گیٹ ملتان

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ہمارے پھول ہمارا چمن ہماری بہار
ہمیں ہی جا نہیں ملتی ہے آشیانہ کو

# میراث میں عدل

اس رسالہ میں بتایا گیا ہے کہ میراث تقسیم کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے،
میراث میں جن مظلوموں کا حق تلف کیا جاتا ہے ان کے نتائج کیا ہیں

علامہ ابوالخیر اسدی

مکتبہ اعلیٰ تھلہ سادات بیرون دہلی گیٹ ملتان

ہدیہ -/۲۷ روپے

# میراث کی اہمیت

اسلام سے قبل دنیا میں جتنے مذاہب اور ملکی آئین نافذ تھے، ان سب میں عورت کی حیثیت محض یہ تھی کہ وہ تمام عمر خاوند کی گرفت میں غلامی کرتی رہے۔ باپ اور خاوند کی میراث سے اسے کچھ بھی نہیں ملتا تھا ؎

اس کارگہِ دہر میں دولت کے بجائے
مفلس کا لہو پی کے بھی معصوم رہے ہیں

عورت کی زندگی میں جب خاوند اور باپ کا سہارا ٹوٹ جاتا تو وہ اپنی بقیہ زندگی گزارنے کے لیے اس وسیع آسمان کے نیچے محض بے بس اور مضطرب بن کر رہ جاتی ؎

اہلِ زباں تو کر کے فغاں مطمئن ہوئے
سوزِ دروں میں جتنے جلے بے زباں جلے

جب اسلام کا زمانہ آیا تو رحمت ایزدی نے عورت کے لیے میراث میں ایک مستقل حصہ مقرر کر دیا تاکہ عورت بھی اپنے حوائج میں مرد کی طرح سے پورے سکون سے زندگی گزار سکے۔ ائمہ مفسرین لکھتے ہیں :۔

| | |
|---|---|
| اھل الجاھلیۃ کانوا لا یورثون | اسلام سے قبل عرب کے لوگ کمزور وارثوں |
| الضعفاء ولا النساء فانزل اللہ | اور عورتوں کو میراث نہیں دیتے تھے |
| تعالیٰ ذلک وبین حکمہ ورد | اللہ تعالیٰ نے ان کے رواج کو ختم |

قولهم۔ کرتے ہوئے قرآن میں عورتوں کیلیے میراث کا حکم نازل کیا۔ (احکام القرآن لابن عربی ص۱۳۵ ج۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں میراث کا حکم نازل ہی اس لیے ہوا ہے کہ میراث میں عورتوں کے حقوق بحال کیے جائیں اور مظلوم وارثوں کو ان کی حق تلفی سے بچایا جائے۔ قرآن میں جب میراث کی مفصل آیت نازل ہوئی تو اس کا شانِ نزول بھی محض ایک بے کس عورت کی فریاد تھی۔ ائمہ مفسرین لکھتے ہیں :۔

حضرت سعد بن ربیعؓ جو ایک مشہور صحابی ہیں اُحد کی مشہور جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔ ان کی شہادت کے بعد ان کے بھائی نے عرب کے قدیم رواج کے مطابق تمام جائداد پر قبضہ کر لیا جس کی وجہ سے ان کی بیوی اور دو لڑکیاں محروم ہو گئیں۔ وہ بے چاری بے بسی کے عالم میں اپنی یتیم بچیوں کو لے کر فریاد رسی کے لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ غم سے بھرائی ہوئی آواز میں عرض کرنے لگی :۔

حضورؐ! میں سعد بن ربیع کی عورت ہوں اور یہ ان کی دو یتیم لڑکیاں ہیں۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میرا خاوند تو غزوۂ اُحد میں شہید ہو چکا ہے اور جو کچھ اس کی جائداد تھی اس پر اس کے بھائی نے قبضہ کر لیا ہے میرے پاس اتنا بھی نہیں کہ میں ان بچیوں کی شادی کر سکوں۔ آپؐ نے اس بے کس عورت کی فریاد سُن کر فرمایا۔ تو کچھ انتظار کر۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ عن قریب کوئی فیصلہ فرماویں گے۔ اس کے بعد میراث کی یہ آیت نازل ہوئی :۔

| | |
|---|---|
| یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین الخ | اللہ تعالیٰ تمہیں اولاد کی میراث میں سخت تاکید کرتے ہیں باپ کی میراث میں دو لڑکیوں کا حق ایک لڑکے کے برابر کر دیا گیا ہے۔ |

اس کے بعد آپؐ نے حضرت سعدؓ کے بھائی کو بلا کر فرمایا کہ قرآن میں میراث کا حکم نازل ہو چکا ہے تم اپنے مرحوم بھائی کی جائداد اس طرح تقسیم کر دو کہ تمام مال سے آٹھواں حصہ اس کی بیوی کو دے دو، دو تہائی جائداد ان لڑکیوں کو اور جو کچھ باقی بچے وہ تم خود لے لو۔

(احکام القرآن لابن عربی ص ۱۳۵ ج ۱)

آیتِ میراث کے نزول کے بعد صحابہؓ پر اتنا اثر ہوا کہ بے سہارا اور بے کس عورتوں کو میراث دلانے کے لیے ایسے ایثار سے کام لینے لگے جس کی عالمِ اسلام میں نظیر نہیں ملتی۔ امام شعرانیؒ لکھتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| کان بعض الصحابۃ اذا حضرۃ الموت یتزوج من شاء من النساء اللاتی لیس لھن من یقوم بشاٴنھن بقصد شرکتھا فی میراثہ | بعض صحابہ نے میراث دلانے میں اتنا ایثار کیا کہ جس بیماری میں انہیں بچنے کی امید نہ ہوتی ایسی عورتوں سے نکاح کر لیتے جن کا دنیا میں کوئی سہارا نہ ہوتا۔ اس ایثار کا مقصد یہ تھا کہ موت کے بعد ہماری جائداد سے ان کو میراث مل جائے۔ |

(کشف الغمہ ص ۵۹ ج ۲)

اس کے بعد ایک صحابی کے ایثار کا ایک شاندار واقعہ لکھتے ہیں

حضرت حفص بن مغیرہؓ کی لڑکی حضرت عبداللہ بن ابی ربیعہؓ کے نکاح میں تھی، انہوں نے کسی وجہ سے اسے طلاق دے دی۔ اس کے بعد اس عورت سے حضرت عمرؓ نے نکاح کر لیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ عورت اولاد کے قابل نہیں ہے تو انہوں نے طلاق دے دی۔ اس کے بعد یہ عورت اسی حالت میں اپنے ایام گزارتی رہی جب حضرت عثمانؓ کی خلافت کا زمانہ آیا تو ان ایام میں حضرت عبداللہ بن ابی ربیعہؓ بیمار ہو گئے۔ یہ وہی صحابی ہیں جنہوں نے اس عورت کو ابتدا میں طلاق دی تھی، انہوں نے اس کی بےکسی پر ترس کرتے ہوئے اپنی بیماری کی حالت میں اس سے دوبارہ نکاح کر لیا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ اگر میں اس بیماری میں ختم ہو گیا تو میرے بعد میری جائداد سے اسے حصہ مل سکے تاکہ یہ بےچاری اپنے بقیہ ایام سکون سے گزار سکے۔ (کشف الغمہ ص ۵۹ ج ۲)

یہ زندگی جو نثر بنتی رہے کسی کے لیے
متاعِ خلد ہے دنیا میں آدمی کے لیے

میراث کے عمل میں صحابہؓ اور اس دور کے مسلمانوں کا تقابل کیجیے، کتنا زمین و آسمان کا فرق ہے۔ وہ تو بےکس عورتوں سے حالتِ مرض میں جائداد دینے کے لیے نکاح کر لیتے تھے اور یہ مسلمان حالتِ مرض میں بعض عورتوں کو طلاق دے دیتے ہیں تاکہ مرنے کے بعد ہماری جائداد سے بالکل محروم ہو جائے

علامہ اقبالؒ انہی حالات پر ماتم کر رہے ہیں ؎

جانتا ہوں میں یہ امت حاملِ قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں

دوسروں کو تو چھوڑیے آج کل بڑے بڑے عالم اور پیر جن کی بزرگی اور علمی شہرت آفاق کو گھیرے ہوئے ہے حیلوں کی آڑ میں اپنی مظلوم لڑکیوں کی میراث سلب کر لیتے ہیں۔ اس ملک میں ایک بڑے عالم تھے۔ جب وہ فوت ہوئے تو اپنی لڑکی کو محروم کر کے اپنی تمام جائداد لڑکے کو دے گئے۔ اب بتائیے کہ ایسی بزرگی اور علمی کمال کا کیا فائدہ کہ آخری وقت جہنم میں جا گرے۔

ترے کام کچھ نہ آیا یہ کمالِ نَے نوازی

خدا کی شان دیکھیے کہ اس محروم و مظلوم لڑکی کو خاوند کی طرف سے بھی پورا نفقہ نہیں مل رہا۔ خدانخواستہ اگر موت نے خاوند کا سہارا بھی معطل کر دیا تو بے چاری اپنے بقیہ ایام کیوں کر گزارے گی۔ صبا اکبر آبادی نے ایسے ظلم کو کتنی لطیف تشبیہ سے ادا کیا ہے ؎

ایسے رخ پر مرے صیاد نے رکھا ہے قفس
جس جگہ سایۂ دیوارِ گلستاں بھی نہیں

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں مجھے دو آدمیوں سے بڑا ڈر لگتا ہے ایک تو قرآن کے صحیح حکم میں تاویل کرنے والا۔ دوسرا وہ جو کسی حیلے یا ظلم سے کسی کی زمین چھین لے۔ (کتاب العلم لابن عبدالبر۔ ص ۲۵۲)

میراث میں اکثر کمزوروں اور عورتوں کا حق تلف ہوتا ہے اس لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سخت تاکید فرمادی ہے۔

| | |
|---|---|
| احرج مال الضعیفین | میں تمہیں سخت تاکید کرتا ہوں کہ عورتوں اور یتیم کے |
| المرأة و الیتیم | مال سے بچتے رہنا کیونکہ یہ اپنی کمزوری کی وجہ سے |

(تفسیر ابن کثیر۔ ص ۴۵۶ ج ۱)　　اپنا حق وصول نہیں کر سکتے۔

میراث کی حق تلفی کا اسلام میں کفر کے بعد اس قدر عذاب ہے کہ اس عذاب کا مقابلہ دوسرا کوئی گناہ بھی نہیں کر سکتا۔ یہ ایسا گناہ ہے کہ دنیا میں اس کے جتنے نیک اعمال ہوتے ہیں دوزخ کے عذاب سے اسے نہیں بچا سکتے جب تک کہ وہ میراث میں پورا عدل نہ کرے۔ دوسرا اس کی سزا جہنم میں معمولی مدت کے لیے نہیں ہے بلکہ ابدی ایک لا انتہا مدت تک ہے جس کا اندازہ انسانی شمار سے باہر ہے۔ میراث کے عمل میں اکثر خرابی اس وقت ہوتی ہے جب کوئی صاحب جائداد مرنے لگے تو اس وقت بعض وارث کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح جائداد میں ہمیں سب سے زیادہ حصہ ملے اس لیے وہ مرنے والے کو مجبور کرتے ہیں یا مرنے والا خود کسی مجبوری یا اپنے طبعی میلان کے تحت وصیت یا انتقال کے ذریعے بعض وارثوں کو محروم کر دیتا ہے۔ بعض دفعہ اسے یہ خیال اٹھتا ہے چونکہ میں اپنی جائداد کا واحد مختار ہوں اس لیے کمی بیشی میں مجھے پورا حق حاصل ہے اور شرعاً مجھ پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ حالانکہ یہ خیال شرعاً سراسر ایک دھوکہ ہے۔

محدث ابن جوزی لکھتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| ومنهم من يجور في وصية | بعض وصیت کرنے میں حد سے تجاوز کرتے ہیں اور |
| ويحرم الوارث ويرى انه | کسی حقیقی وارث کو محروم کر دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں |
| ماله يتصرف فيه كيف | کہ یہ ہمارا اپنا مال ہے جس طرح چاہیں اس میں |
| شاء فنسي انه بالمرض | تصرف کر سکتے ہیں اور شریعت کا یہ حکم بھول جاتے ہیں |

| | |
|---|---|
| قد تعلقت حقوق الوارثین بہ (نقد العلم و العلماء ص۳۸۲) | بیماری کی حالت میں وارثوں کے حقوق اس کے مال سے وابستہ ہو جاتے ہیں۔ |

اس سے معلوم ہوا کہ حالتِ مرض میں جائداد پر ہر قسم کے اختیارات سلب ہو جاتے ہیں کیونکہ اس حالت میں تمام وارثوں کے حقوق واجب ہو جاتے ہیں۔ ان خدشات کے تحت ایسے آدمی کے انجام کو واضح کیا گیا ہے تاکہ مسلمان اس سے اجتناب کر سکیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

| | |
|---|---|
| ان الرجل لیعمل بطاعۃ اللہ ستین سنۃ ثم یحضرۃ الموت فیضار فی الوصیۃ فیجب لہ النار | ایک آدمی ساٹھ ستر برس کی عمر تک برابر نیکی کرتا رہتا ہے جب اس کی موت کا وقت آتا ہے تو وہ اپنے اختیار سے غلط وصیت کر کے کسی وارث کو نقصان پہنچا دیتا ہے اس پر اس جرم کی پاداش میں جہنم کا داخلہ واجب ہو جاتا ہے۔ |
| ابو داود والترمذی | |

یعنی مرتے ہی سیدھا جہنم میں داخل ہو جائے گا۔ جہنم کے داخلے سے اسے تمام عمر کی نیکیاں بھی نہیں بچا سکتیں۔ ایسے آدمی کی موت پر یہ تعزیت خوب مناسب معلوم ہوتی ہے۔ ؎

تیری اس مرگِ ذلت آگین پر — کچھ تأسف ہمیں نہ حیرانی
اپنے انجامِ کار کو پہنچا — ایک غدار نوعِ انسانی

محدث ابن جوزی لکھتے ہیں۔ شیطان کہتا ہے کہ مجھ پر کوئی انسان بھی غالب نہیں آ سکتا۔ مگر جب دیکھتا ہوں کہ کوئی نیک آدمی مجھ پر غالب آنے

لگا ہے تو اسے تین باتوں کی ترغیب دیتا ہوں کسی کا حق غصب کرلینا۔ اسراف کرنا۔ حق سے روکنا۔ یعنی ان تینوں میں سے ضرور اسے کسی پھندے میں پھنسا دیتا ہوں۔ (نقد العلم صـ ۲۸۲)

جیسا کہ وصیت کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تمام عمر کی نیکیوں کو ایک غلط وصیت سے برباد کر دیتا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے :۔

اسی طرح ایک آدمی ستر برس تک بدکاروں جیسے اعمال کرتا رہتا ہے۔ جب اس کی موت کا وقت آتا ہے تو خدا کے ڈر سے ایسی وصیت کرتا ہے جس سے وارثوں کو پورا پورا حق مل جائے اس عمل کی وجہ سے وہ مرتے ہی جنت میں داخل ہو جاتا ہے (تفسیر ابن کثیر صـ ۹۹ ج ۱)

صحیح وصیت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نہ وہ کسی جابر وارث کے رعب میں آتا ہے اور نہ وہ طبعی میلان کی پروا کرتا ہے۔ اگر اسے معلوم ہو رہا ہو کہ میرے وارث مثلاً میری لڑکیوں کو میراث نہ دیں گے تو ان کے قبضے یا انتقال کا اپنے مرض میں انتظام کر جاتا ہے۔ تاکہ میرے بعد یہ وارث شرعی تقسیم میں ہیر پھیر نہ کر سکیں۔ اس کا یہ عمل اسلام میں اتنا محبوب ہے کہ اس کی تمام عمر کی برائیوں کا کفارہ بن جاتا ہے اور مرتے ہی سیدھا جنت میں پہنچ جاتا ہے۔ ؎

جو موت آئے رضائے حبیب کی خاطر
وہ موت، موت نہیں زندگی کا حاصل ہے

# میراث کا علم

جس طرح اسلام میں میراث کے عمل کو ایک بڑی اہمیت حاصل ہے، اسی طرح اس کا علم بھی ایک بڑا درجہ رکھتا ہے۔ جب کسی چیز کا صحیح علم ختم ہو جاتا ہے تو اس کے عمل میں خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

تعلموا الفرائض وعلموها فانی امرؤ مقبوض والعلم مرفوع ویوشك ان یختلف اثنان فی الفریضۃ المسئلۃ فلا یجد ان احدًا ان یخبرهما۔ (مسند احمد۔ نیل الاوطار ص۴۶ ج۶)

میراث کا علم خود بھی سیکھو اور دوسروں کو بھی سکھلاتے رہو۔ میں اس دنیا سے رخصت ہونے والا ہوں اور صحیح علم بھی ختم ہوتا جائیگا۔ ایسا نہ ہو کہ دو آدمی میراث کے یا کسی اور مسئلے میں اختلاف کریں اور انہیں صحیح مسئلہ بتانے والا کوئی نہ ملے۔

دوسری حدیث میں ہے:-

تعلموا الفرائض وعلموها فانها نصف العلم وهو ینسٰی وهو اول شئ ینزع من امتی (ابن ماجہ نیل الاوطار ص۴۶ ج۶)

میراث کا علم خود بھی سیکھو اور دوسروں کو بھی سکھاتے رہو کیونکہ یہ دین کا آدھا علم ہے اسے لوگ جلدی بھلا دیں گے۔ یہ پہلا علم ہے کہ میری امت سے جلدی رخصت ہو جائیگا۔

ان احادیث سے چند باتیں واضح ہو گئیں۔ ایک تو یہ کہ آپؐ نے

میراث کا علم حاصل کرنے اور پھر اسے پھیلانے کی کس قدر تاکید فرمائی ہے اور ساتھ ہی اس تاکید کا منشا بھی واضح کر دیا ہے کہ امت اس علم کے ساتھ اتنی غفلت برتے گی کہ لوگوں کے دلوں سے اس کی اہمیت بالکل ختم ہو جائے گی حتیٰ کہ وہ دور آئے گا کہ اگر کہیں اس کے کسی مسئلے میں اختلاف ہو گیا تو کوئی صحیح بتلانے والا عالم بھی میسر نہ ہوگا۔ جیسا کہ بعض علاقوں میں ایسا حادثہ اب بھی پایا جاتا ہے۔ دوسرا آپ نے اس علم کی اتنی فضیلت بیان فرمائی ہے کہ اسے دین کا نصف علم کہا گیا ہے۔ امام ابن عیینہؒ فرماتے ہیں :۔

انما قیل لہم نصف العلم لانہ یبتلی بہ الناس کلھم۔ (نیل الاوطار ص۴۷ ج ۶)

اسے نصف علم اس لیے کہا گیا ہے کہ اس پر عمل کرنے کے لیے تمام لوگ داخل ہیں۔

امام ابن عیینہ نے میراث کے نصف العلم ہونے کی بہترین تفسیر کی ہے۔ کیونکہ دنیا میں کوئی مسلمان ایسا نہیں مرتا کہ وہ کچھ نہ کچھ چھوڑ نہ جاتا ہو۔ ایک گداگر ہے مرنے کے بعد غربت کی وجہ سے اس کی جیب میں ایک پیسہ بھی نہیں ملتا لیکن اس کا کاسہ اس کی لاٹھی اور بدن کے معمولی کپڑے تو موجود ہیں اگر اس کا کوئی وارث موجود ہے تو ان چھوڑی ہوئی چیزوں میں شرعاً میراث جاری ہو جائیگی جن چیزوں میں میراث جاری ہوتی ہے ان کی مقدار اور قیمت معین نہیں ہے جس چیز سے کسی قسم کا بھی فائدہ حاصل ہو وہ چیز میراث میں داخل ہو سکتی ہے سید اصغر حسین محدث اپنی معروف کتاب مفید الوارثین میں لکھتے ہیں اگر مرنے والے کی جیب سے ایک الائچی بھی نکلے تو کوئی وارث دوسرے وارثوں کی اجازت

کے اجازت کے بغیر اسے استعمال نہیں کر سکتا۔

آپ اسے مبالغہ سمجھیں یا تقویٰ پر محمول کریں ان کا مقصود یہ ہے کہ ورثے میں ادنیٰ سے ادنیٰ چیز تک داخل ہو سکتی ہے جب فقیر کی لاٹھی میں بھی میراث ہے تو دنیا میں کونسا مسلمان ہے جو میراث کے عمل سے چھوٹ سکتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ میراث کا علم واقعی دین کے علم میں مرتبے کے لحاظ سے نصف درجہ رکھتا ہے اسی واسطے ائمہ فقہاء نے فرمایا ہے:۔

میراث کا ایک مسئلہ بتانے میں شریعت کے سو مسئلے بتانے کے برابر ثواب ملتا ہے۔ (تنویر الحواشی ص)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں :۔

من لم یتعلم الفرائض فیم یفضل اھل البادیۃ۔ احکام القرآن لابن عربی ج۱ ص۱۳۵

جو آدمی میراث کی معلومات نہیں رکھتا اسے جنگلی آدمی پر کونسی فضیلت حاصل ہے؟

# حیلے سے میراث ساقط کرنا

کسی وارث کا حق ساقط کرنے کے لیے جتنے حیلے کیے جاتے ہیں ان سب جزئیات کا احاطہ کرنا تو مشکل ہے صرف مشہور حیلوں کا ذکر کیا جاتا ہے کچھ حیلے تو صاحب میراث کی زندگی میں کیے جاتے ہیں اور کچھ اس کے مرنے کے بعد جائداد حاصل کرنے کے لیے۔ بعض دفعہ دھوکے سے اس کے وجود کو ختم کر دیا جاتا ہے۔ وجود ختم کرنے کے لیے قتل کرنا یا زہر کھلا دینا،

یا سحر وغیرہ سے ہلاک کر دینا ایسے واقعات عام پائے جاتے ہیں۔
جن کے نام کافی جائداد ہو یا بینک میں کافی سرمایہ جمع ہو یا اس نے
کافی سرمایہ میں بیمہ کرا رکھا ہو۔ ایسے لوگ جب بڑھاپے کے عالم
میں داخل ہو جاتے ہیں تو بعض دفعہ ان کی زندگی سخت اجیرن ہو جاتی ہے
بعض دفعہ بیٹا اپنے بوڑھے باپ کو زہر دے کر مار ڈالتا ہے۔
اب ان حیلوں کا ذکر کیا جاتا ہے جنہیں شرعی جواز کی آڑ میں
استعمال کیا جاتا ہے۔ حالانکہ عند اللہ ان کا بڑا مواخذہ ہے۔

## زندگی میں اولاد کے درمیان عدم مساوات

یہ عام اصول ہے کہ طبعی محبت میں عدل نہیں ہو سکتا۔ دو عورتوں کے
درمیان آدمی جتنی بھی کوشش کرے لیکن محبت کو تقسیم نہیں کر سکتا۔ لامحالہ
ایک عورت میں حسن یا سیرت کی خوبی کی وجہ سے طبعی میلان زیادہ ہوگا۔
اور چونکہ یہ امر غیر اختیاری ہے اس لیے شریعت نے اس معذوری پر مواخذہ
نہیں کیا لیکن خرچہ دینے اور شب باشی کرنے میں چونکہ مرد کو اختیار حاصل ہے،
اس میں عدل سے کام نہ لیا تو ضرور مواخذہ ہوگا۔ اسی طرح اولاد کے درمیان
بھی طبعی محبت تقسیم نہیں ہو سکتی لیکن مال کی تقسیم میں شریعت نے طبعی محبت
کو ملحوظ نہیں رکھا بلکہ عدل کے قانون کو نافذ کر دیا ہے۔ مرنے کے بعد یہ بات
قطعاً قبول نہیں ہو سکتی کہ فلاں لڑکی باپ کی زیادہ خدمت کرتی تھی یا فلاں
چھوٹا لڑکا والد کو زیادہ محبوب تھا ان وجوہ کے تحت ان کو میراث کے حصول

سے زیادہ ملنا چاہیے، شریعت ان وجوہ کو قطعاً قبول نہیں کرتی بلکہ میراث کے حصوں کو پورا پورا تقسیم کیا جائے گا۔ اس کی حکمت اس تمثیل سے سمجھیے اگر آپ کے ہاں دو مہمان آ جائیں ایک باپ ہو اور دوسرا اس کا جوان بیٹا۔ آپ احترام کی وجہ سے باپ کو دو روٹیاں دیں اور بیٹے کو ایک روٹی تو کیا ایسے احترام کو درست کہیں گے؟ چونکہ پیٹ کے لحاظ سے بھوک کی آتش میں دونوں برابر مقام رکھتے ہیں اس لیے دونوں کو برابر روٹی دینی پڑے گی۔ اس طرح زندگی کی ضروریات چونکہ مال پر موقوف ہیں۔ اس لیے شریعت نے دو بھائیوں کے درمیان میراث میں برابر کا حصہ رکھا ہے۔ باپ کی طبعی محبت کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ ہمارے ہاں دستور ہے کہ بعض دفعہ باپ اپنی طبعی محبت کی وجہ سے اپنی زندگی میں کسی بیٹے کو زیادہ چیز دیتا ہے اور کسی کو کم۔ ایسے واقعات وہاں زیادہ پیش آتے ہیں جہاں دو سوکنوں کی اولاد جمع ہو جائے۔ مرد کو جو بیوی زیادہ محبوب ہوتی ہے اس کا مال بھی اس کی اولاد پر زیادہ خرچ ہوتا ہے۔ دوسری بیوی جس طرح محبت سے خارج ہوتی ہے اسی طرح اس کی اولاد بھی باپ کے مال سے پورا فائدہ نہیں اٹھاتی۔ باپ اس دھوکہ میں مبتلا ہوتا ہے کہ چونکہ یہ مال میرا ہے میں اپنی مرضی پر کسی کو کم یا زیادہ دینے کا کلی اختیار رکھتا ہوں۔ اس لیے اس عدم مساوات میں نہ مجھے دنیا میں کوئی ملامت کر سکتا ہے اور نہ آخرت میں مجھ پر کسی قسم کا مواخذہ ہو سکتا ہے۔ اس معاملے میں یہ باپ دو دھوکوں میں گرفتار ہے۔ ایک شرعی دھوکہ اور دوسرا طبعی۔ حدیث کے ایک واقعہ سے ان مفاسد کی پوری قلعی کھل جاتی ہے۔ بخاری اور مسلم میں ہے کہ حضرت نعمان بن

بشیرؓ کہتے ہیں کہ:۔

میرے والد مجھے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام عطا کیا ہے۔

آپؐ نے فرمایا کیا تو نے اپنے سب بیٹوں کو اسی طرح ایک ایک غلام دیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا جی نہیں۔

آپؐ نے فرمایا کیا تو یہ پسند کرے گا کہ تیرے سارے لڑکے تجھ سے اچھا سلوک کریں؟

انہوں نے کہا جی ہاں! آپؐ نے فرمایا اگر یہ بات ہے تو اپنا غلام اپنے اس لڑکے سے واپس لے لو۔ دوسری روایت میں ہے:۔

حضرت نعمان کہتے ہیں میرے والد نے مجھے ایک چیز دی میری والدہ نے کہا کہ یہ چیز میں اپنے بیٹے کے لیے اس وقت تک پسند نہیں کرتی جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر گواہ نہ ہو جائیں۔ میرے والد حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے اور عرض کیا میں نے اپنے بیٹے نعمان کو ایک چیز دی ہے اور میں اس چیز پر آپ کو گواہ بنانا چاہتا ہوں آپؐ نے پوچھا کہ تو نے اس قسم کی چیز تمام لڑکوں کو دی ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا خدا سے ڈر اور اولاد کے درمیان عدل و انصاف سے کام لے۔ باقی رہا مجھے اس پر گواہ کرنا تو میں کسی کے ظلم پر گواہ نہیں بنتا۔ بخاری و مسلم مشکوٰۃ صفحہ ۲۶۱ مسلم صفحہ ۳۶ ج ۲ نیل الاوطار صفحہ ۶ ج ۲)

اس حدیث کے مفہوم میں کوئی ایسی پیچیدگی نہیں تھی کہ ذہن میں کوئی الجھن

رہ جائے لیکن بعض محدثین اور فقہاء نے اس حدیث کی تفہیم میں تاویل کے کئی دروازے کھول دیے ہیں۔ اس لیے بعض اہل علم ان کی نرم تاویلوں کی آڑ میں اولاد کے درمیان عدم مساوات پر عمل کرنے لگ گئے۔ اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ اختصار کے ساتھ ان رکیک تاویلوں کی الجھن کو دور کر دیا جائے محدث ابن حجر عسقلانیؒ اپنی مشہور کتاب فتح الباری فی شرح بخاری میں اس حدیث کے تحت علماء کے دس جواب نقل کرتے ہیں اور جو ان میں کمزور جواب تھے ان کا رد بھی کر دیا ہے۔ محدث شوکانیؒ نے بھی بعض کمزور تاویلوں کا احسن طریق سے جواب دیا ہے۔ محدث ابن قدامہؒ نے اپنی مشہور کتاب مغنی میں اور امام ابن قیمؒ نے تحفۃ الودود میں ان تاویلوں کا نفیس رد کیا ہے۔ اس مختصر رسالہ میں ان کا بالاستیعاب نقل کرنا غیر ضروری ہے البتہ اہل علم اگر اس حدیث کی تمام شروح کا انصاف سے مطالعہ کریں تو امید ہے کہ ان کی ذہنی الجھن اچھی طرح صاف ہو جائے گی۔ میں صرف چند نمایاں الجھنوں کو نقل کرتا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت نعمانؓ کے ہبہ (عطیہ) پر جن الفاظ میں ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے محدثین نے ان الفاظ کو اس طرح جمع کیا ہے :-

| | |
|---|---|
| (۱) اتقوا اللّٰہ واعدلوا فی اولادکم۔ | اللہ کے عذاب سے ڈرتے رہو اور اولاد کو مال دینے میں عدل سے کام لو۔ |
| (۲) فانی لا اشھد علی جور | میں ظلم کے کام پر گواہی نہیں دیتا۔ |
| (۳) لا تشھدنی علی جور | مجھے ظلم کے کام پر گواہ مت بناؤ۔ |

(۴) فليس يصلح هذا وانى لا اشهد الا على حق۔ — ایسی گواہی نبی کی شان کے خلاف ہے میں صرف حق بات پر گواہی دیتا ہوں۔

(۵) ان لهم عليك من الحق ان تعدل بينهم۔ — تمہاری تمام اولاد کا تم پر حق ہے کہ ان کے درمیان عدل سے کام لو۔

(نووی شرح مسلم ص۳۶ ج ۲ نیل الاوطار ص۸ ج ۶)

ان الفاظ کی تفہیم پر ائمہ کی مختلف رائیں ہو گئی ہیں۔ بعض ائمہ نے کہا ہے کہ چیز دینے میں اولاد کے درمیان عدل کرنا واجب ہے۔ اور ایسا ہبہ جس میں عدل نہ ہو شرعاً حرام ہے۔ حضرت امام بخاریؒ امام طاؤسؒ امام ثوریؒ امام احمدؒ اور بعض مالکیوں کا یہی مذہب ہے۔ امام شافعیؒ امام اعظمؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک عدل نہ کرنا مکروہ ہے لیکن ہبہ کا عمل درست ہو جاتا ہے۔ البتہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر ہبہ میں دوسری اولاد کو ضرر پہنچ رہا ہو تو پھر برابر تقسیم کرنا واجب ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک اولاد کو برابر دینا مستحب ہے اور حدیث میں نہی ثابت کو تنزیہ پر محمول کرتے ہیں۔ غرضیکہ اس میں ائمہ کے دو مشہور مسلک ہیں۔ ایک مسلک یہ ہے کہ اولاد کے درمیان عطیے میں برابری کرنا شرعاً واجب ہے۔ اگر کسی کو زیادہ دیگا تو ہبہ حرام ہے۔ اس ہبہ پر نہ اس کی زندگی میں عمل ہوگا اور نہ مرنے کے بعد۔ دوسرا مسلک یہ ہے کہ برابری کرنا مستحب ہے اگر کسی کو زیادہ دیدے تو ایسا ہبہ فیصلہ کی صورت میں تو درست ہے لیکن اللہ کے نزدیک گنہگار ہوگا۔

اب تحقیق کے لحاظ سے دیکھنا ہے کہ کون سا مسلک کے زیادہ قریب ہے اور

کونسا مسلک دلائل کے لحاظ سے کمزور ہے۔

جن ائمہ کرام نے عدل کو مستحب قرار دیا ہے اس حدیث کی دس وجوہ سے تاویل کی ہے۔ امام زرقانی فرماتے ہیں یہ سب تاویلیں ضعیف ہیں ان میں کوئی بھی قابل قبول نہیں ہے۔

(تنویر علی مؤطا امام محمدؒ ص۳۴۳)

محدث ابن قدامہ لا اشهد علی جور (میں ظلم پر گواہی نہیں دیتا) کے تحت لکھتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| وهو دليل على التحريم لانه سماه جورًا و امر برده و الجور حرام و الامر يقتضى الوجوب و لان التفضيل بعضهم يورث بينهم العداوة وقطيعة الرحم۔ | آپؐ نے فرمایا کہ میں ظلم پر گواہی نہیں دیتا اس میں تحریم کی دلیل ثابت ہوتی ہے کیونکہ اسے ظلم سے تعبیر کیا گیا ہے اور آپؐ نے اس عطیہ کو واپس لینے کا حکم دیا اور ظلم شرعًا حرام ہے۔ اور آپؐ کا حکم وجوب کا درجہ رکھتا ہے اور عطیہ میں بعض اولاد کو فضیلت دینا، یہ فعل نسل میں عداوت پھیلائے گا اور صلہ رحمی کو ختم کرے گا۔ |

(مغنی لابن قدامہ ص۶۰۵ ج ۵)

جن ائمہ نے عدل کو مستحب کہا ہے امام ابن قیم نے اختصار کے ساتھ ان کا مدلل جواب دیا ہے اور یہی جواب اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے۔ حضرت نعمان بن بشیرؓ کی حدیث کے تحت لکھتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| وهذا امر تهديد لا اباحة فان تلك العطية كانت جورًا بنص | آپؐ کا یہ حکم سخت تہدید پر دلالت کرتا ہے نہ کہ امر مباح پر کیوں کہ یہ سب نص |

بنص الحدیث. ومن العجب ان یحمل قولہ اعدلوا بین اولادکم علی غیر الوجوب وھو امر مطلق مؤکد وقد اجزا الامر بہ ان خلافہ جور وانہ لا یصلح وانہ لیس بحق والعدل واجب فی کل حال فلو کان الامر بہ مطلقاً لوجب حملہ علی الوجوب فکیف وقد بہ عشرۃ اشیاء تؤکد وجوبہ

تحفۃ الودود ص ۷۶

حدیث کے تحت ظلم تھا۔ بڑا تعجب ہے کہ اعدلوا کے حکم کو غیر واجب قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ یہ حکم کتنی تاکید کے ساتھ دیا گیا ہے۔ آپؐ نے اس میں فرمایا کہ یہ صریح ظلم ہے اور اس کی گواہی درست نہیں ہے اور یہ حق کے خلاف ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اولاد کے درمیان ہر حالت میں عدل کرنا واجب ہے۔ اگر تاکید کے بغیر صرف مطلق حکم بھی ہوتا تب بھی اسے وجوب پر محمول کیا جاتا لیکن اس حدیث میں تو اس حکم کو واجب کرنے کے لیے اور دس چیزوں سے مؤکد کر دیا گیا ہے۔

قاضی عیاضؒ نے شرح مسلم میں بھی یہ دلائل بیان کیے ہیں۔ اس کے بعد امام ابن قیم عدل کی تائید میں ایک حدیث بیہقی سے نقل کرتے ہیں۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں:۔

ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اُس کا چھوٹا سا لڑکا اس مجلس میں آگیا۔ اُس نے اسے بوسہ دے کر اپنی گود میں بٹھا لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس آدمی کی ایک چھوٹی سی بچی بھی دوڑتی آئی تو اُس نے بغیر

بوسہ دیے اپنی گود میں بٹھا لیا۔ آپؐ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا:۔

فما عدلت بینھما (تو نے دونوں بچوں کے درمیان عدل سے کام نہیں لیا) یعنی لڑکے کو تو بوسہ دے کر گود میں بٹھا لیا اور لڑکی کو بغیر پیار کیے اٹھا لیا۔ اس حدیث کے تحت علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں:۔

وکان سلف یستحبون ان یعدلوا بین الاولاد فی القبلۃ۔
(تحفۃ الودود ص۷۶ مغنی ص۶۰۶ ج۵)

ائمہ اسلاف فرماتے ہیں کہ یہ امر مستحب ہے کہ اولاد کے درمیان پیار کرنے میں بھی عدل کیا جائے۔

امام بخاریؒ حضرت عمرؓ کا قول نقل کرتے ہیں۔ آپؓ فرماتے ہیں:۔

کما ان للاب علیٰ ابنہ حقا فللابن علیٰ ابیہ حق
(ادب المفرد ص۱۷ تحفۃ الودود ص۷۶)

جس طرح باپ کا بیٹے پر حق ہے اسی طرح باپ پر بھی حق ہے کہ اولاد کے درمیان عدل کرے۔

اگر باپ نے نا انصافی سے کام لیا تو آخرت میں والدین اپنی اولاد سے پہلے پکڑے جائیں گے۔

محدث ابن قیم اسلاف سے نقل کرتے ہیں:۔

ان اللہ تعالیٰ یسأل الوالد عن ولدہ یوم القیامۃ قبل ان یسأل الولد عن والدہ۔ (تحفۃ الودود ص۷۶)

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پہلے والدین سے ان کی اولاد کے حقوق میں پرسش کریں گے پھر اولاد سے ان کے والدین کے حقوق میں سوال ہوگا۔

اگر آپ ان احادیث اور ائمہ کے دلائل پر انصاف سے نظر کریں گے تو عدل کے وجوب پر ذرا بھی الجھن نہیں رہے گی اگر آپ کے سینے میں تقویٰ کا جوہر مفقود ہے تو پھر مستحب پر بھی عمل نہیں کریں گے۔ اپنے بچے کا بوسہ لینا یہ تو ایک طبعی محبت کا عمل ہے۔ جب شریعت نے اولاد کی طبعی محبت میں بھی مساوات کا حکم دیا ہے تاکہ دوسرے بچے کے معصوم قلب کو ٹھیس نہ لگ جائے تو کیا مال میں عدم مساوات درست ہو سکتی ہے؟ جب کہ اس کے نتائج دنیا میں بھی مہلک صورتوں میں نمودار ہوتے ہیں۔

محدث شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں:۔

اقول انما كره تفضيل بعض الاولاد على بعض في العطية لانه يورث الحقد فيما بينهم والضغينة بالنسبة الى الوالد فاشار النبي صلى الله عليه وسلم الى ان التفضيل بعضهم على بعض سبب ان يضمر المنقوص له على ضغينة ويطوي على غل فيقصر في البر وفي ذلك فساد المنزل۔

حجۃ اللہ البالغہ ص ۳۲۹ ج ۲

میں کہتا ہوں ہبہ کے اندر بعض اولاد کو بعض پر فضیلت دینے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے ناپسند فرمایا کہ اس سے اولاد کے درمیان عداوت پیدا ہوتی ہے اور جسے کم ملے گا اسے باپ کی طرف سے رنجش پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نتائج کی طرف اشارہ فرمایا کہ بعض اولاد کو فضیلت دینے پر دوسری اولاد کے دل میں رنج پیدا ہوگا۔ جس کے ساتھ کوتاہی کی گئی ہے وہ باپ کی نافرمانی کرے گا۔ ایسے نتائج میں سارا گھر تباہ ہو جائے گا۔

علامہ شیخ علی محفوظ فرماتے ہیں:۔

ومن العادات التی تفضی
الی سوء المعاشرۃ تفضیل
بعض الاولاد علی بعض
فی الملک والهبة وانما
کان التفضیل مکروها
عند عدم العذر لما فیها
من ایحاش المفضل علیه
وربما کان لعقوقه و
حقده وسوء خلقه
الابداع فی مضار الابتداع[۳۹۲]

وہ عادات جو خاندانی معاشرے کو برباد
کرتی ہیں ان میں سے یہ بھی ہیں کہ بعض لوگ
اپنی اولاد میں سے کسی کو جائداد یا کوئی چیز زیادہ
دیدیتے ہیں۔ یہ تفضیل عذر کے بغیر اس لیے
شرعاً درست نہیں ہے کہ جس کے ساتھ
کوتاہی کی گئی ہے وہ دوسرے بھائیوں
کے ساتھ عداوت رکھے گا۔
اس سے اکثر یہ ہوتا ہے کہ ایسا لڑکا باپ کا نافرمان
ہوجاتا ہے اور اس کے دل میں دشمنی کی آگ بھڑک
اٹھتی ہے اور اس کے اطوار بھی گندے ہوجاتے ہیں۔

جن نتائج پر ان ائمہ نے ہمیں آگاہ کیا ہے آج کے دور میں اس سے بڑھ چڑھ کر ظاہر ہو رہے ہیں۔ عام قاعدہ ہے کہ باپ اپنی ملکیت کا واحد مالک ہوتا ہے اس کے تصرف میں اسے دوسرا کوئی نہیں روک سکتا۔ اسی طرح اپنے جس لڑکے کو باپ کچھ نہیں دیتا یا دوسری اولاد سے کم دیتا ہے وہ باپ کی زندگی میں باپ کا مقابلہ تو نہیں کر سکتا لیکن اس کے دل میں باپ کی طرف سے رنج پیدا ہوجاتا ہے اور جن بھائیوں کو زیادہ دیا گیا ہے ان کے ساتھ حسد اور عداوت پیدا ہوجاتی ہے۔ جب باپ مرجاتا ہے تو اب اس کے مقابلے میں برابر کے بھائی سامنے آجاتے ہیں۔ دشمنی کی وہ آگ جو ایک مدت سے اس کے اندر

بھڑک رہی تھی اب اس کے شعلے انتقام کے لیے تیز ہو جاتے ہیں اپنے حصے کے لیے وہ ہر قسم کے حربے استعمال کرتا ہے۔ کبھی وہ قتل پر بھی آمادہ ہو جاتا ہے۔ باپ کے عدل نہ کرنے پر اس بیٹے سے جتنے جرائم کا صدور ہوگا اس کا بنیادی سبب چونکہ باپ کا فعل ہے اس لیے اگر اس نے بھائی کو قتل کر دیا تو اس قتل کا آدھا عذاب قبر میں باپ کو ملے گا۔ اسی طرح بیٹے کے ہر جرم میں آدھا عذاب باپ کو ملتا رہے گا۔ ؎

جنھیں غرور بہت تھا نماز روزے پر
گئے جو قبر میں سارے وضو شکست ہوئے

اب اس عدل پر احناف کا مسلک معلوم کیجیے کیونکہ ان کی بعض عبارتوں پر سطحی تفہیم سے بعض حنفیوں کو دھوکہ لگ جاتا ہے۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں :-

| | |
|---|---|
| ینبغی للرجل ان یسوی بین ولدہ فی النحل ولا یفضل بعضھم علی بعض (الی ان قال) وھو قول ابی حنیفۃ والعامۃ فقھائنا۔ | آدمی کو چاہیے کہ عطا کرنے میں اولاد کے درمیان عدل کرے۔ کسی کو دوسرے سے زیادہ چیز نہ دے آخر میں فرماتے ہیں یہی امام ابو ابوحنیفہؒ اور ہمارے فقہاء کا قول ہے۔ |
| مؤطا امام محمد ص ۳۴۴ | |

عام فقہاء اس لفظ ینبغی سے استحباب کا حکم ثابت کرتے ہیں۔ یعنی ایسا کرنا مستحب ہے، واجب نہیں ہے۔ اگر اولاد کے درمیان عدل نہ کرے

یعنی اپنی مرضی کے مطابق کسی بیٹے کو زیادہ دے کسی کو کم۔ تو فقہاء احناف نے باپ کے اس عطیہ کو جائز کہا ہے لیکن عدل نہ کرنے کی وجہ سے گنہ گار ہوگا یعنی اسے آخرت میں مواخذہ ہوگا۔ سراج المنیر میں ہے :۔

| | |
|---|---|
| لو اعطی بعض ولدہ شیئا دون البعض یجوز فی القضاء ومکن ھو اثم (جامع الصغیر باب الھبہ) | اگر اولاد میں سے کسی کو کچھ دے اور کسی کو نہ دے ایسا ہبہ جائز تو ہے لیکن عدل نہ کرنے سے گنہ گار ہوگا۔ |

فقہ کی مشہور کتاب درالمختار میں ہے :۔

| | |
|---|---|
| ولو وھب فی صحۃ کل المال للولد جاز واثم (درالمختار صفحہ ۶۱ ج ۲) | اگر کوئی آدمی صحت کی حالت میں اپنی تمام جائداد ایک لڑکے کو دیدے اور دوسرے کو کچھ نہ دے تو یہ ہبہ تو جائز ہے لیکن عدل نہ کرنے سے گنہ گار ہوگا۔ |

ان عبارتوں کی سطحی تفہیم سے اکثر یہی سمجھا گیا کہ باپ چونکہ اپنی جائداد پہ کلی اختیار رکھتا ہے اس لیے اگر وہ اپنی اولاد میں کسی کو دے اور کسی کو نہ دے تو اپنے اختیار کی وجہ سے اسے ہر قسم کا تصرف جائز ہے۔ بہت لوگ اپنی زندگی میں کسی بیٹے کو محروم کر دیتے ہیں یا صرف بیٹوں میں جائداد تقسیم کر کے لڑکیوں کو محروم کر دیتے ہیں اور ان کا زندگی میں قبضہ کرا دیتے ہیں یا قانون سے بچنے کے لیے بیع کے ذریعے لڑکوں کے نام انتقال کرا دیتے ہیں۔ زمین کی رجسٹری میں تحریر کرا دیا جاتا ہے کہ باپ نے اتنی رقم کے بدلے ان بیٹوں کے نام اپنی جائداد فروخت کر دی ہے تاکہ اس کے مرنے کے بعد محروم وارث قانونی کارروائی نہ کر سکیں۔ اس مصیبت میں بعض علماء اور پیر بھی گرفتار ہیں۔

لیکن ائمہ فقہاء جس شرط کے ساتھ اس تفضیل کو جواز کا درجہ دے رہے ہیں اس کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اگر وہ اس جواز کو کسی شرط کے ساتھ مقید نہ بھی کرتے تب بھی ان کا یہی لفظ ولکن ھو اثم ایسا ہبہ تو جائز ہے لیکن گنہ گار ہوگا) اس کے گنہ گار ہونے کی وجہ سے کافی تھا۔ کیونکہ جس فعل کے ارتکاب سے گناہ لازم آتا ہو وہ عملاً کس طرح جواز میں داخل ہو سکتا ہے۔ اب ائمہ فقہاء کی اس قید کی حقیقت سمجھیے جس کے تحت انہوں نے تفضیل کے جواز کو مقید کیا ہے

در المختار میں ہے:۔

| | |
|---|---|
| لا بأس بتفضیل بعض الاولاد فی العطایا ان لم یقصد الاضرار وان قصدہ سوی بینھم | اولاد میں سے کسی کو زیادہ دینا اور کسی کو کم اس میں کچھ حرج نہیں ہے بشرطیکہ کسی کو ضرر دینے کا قصد نہ ہو اگر اس وجہ سے کسی کو ضرر پہنچ رہا ہو تو پھر ان میں برابر تقسیم کرے۔ |
| در المختار صفہ ۱۶ ج ۲ | |

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| تجب التسویۃ ان قصد بالتفضیل الاضرار | اگر کسی کے زیادہ دینے سے دوسرے کو ضرر پہنچانے کا ارادہ ہو تو پھر شرعاً اس پر واجب ہے کہ ان میں برابر تقسیم کرے۔ |
| نیل الاوطار صفہ ۶ ج ۶ | |

ان عبارتوں سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ کسی لڑکے کو زیادہ دینے میں اگر دوسرے لڑکے کے حصے کو ضرر پہنچانا مقصود ہو تو یہ ہبہ شرعاً درست نہیں امام ابو یوسفؒ نے تصریح کر دی ہے کہ اب عدل کرنا واجب ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس شرط کے ساتھ ائمہ احناف بھی اولاد کے ہبے میں عدل کرنے کو

واجب قرار دیتے ہیں بلکہ اس اصول پر تمام ائمہ متفق نظر آتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ضرر کے قصد کا کیا مطلب ہے؟ اگر کوئی باپ اپنی مرضی سے تمام جائداد ایک لڑکے کو دیدے اور دوسرے لڑکے کو کچھ بھی نہ دے یا سو بیگھے زمین میں سے ۹۰ بیگھے ایک لڑکے کو دیدے اور دس بیگھے دوسرے لڑکے کو اور کہے کہ جس لڑکے کو میں نے زیادہ دیا ہے اس سے میرا قصد یہ نہیں کہ میں دوسرے لڑکے کو ضرر پہنچاؤں بلکہ میں تو اپنی محبت کا اظہار کر رہا ہوں۔ آپ انصاف سے بتلائیے باپ کا یہ جواب درست ہے؟ کیا وہ حقیقت میں دوسرے لڑکے کو ضرر نہیں پہنچا رہا۔ اب ضرر کے مفہوم کو باپ کے عمل سے پرکھا جائے گا یا اس کے زبانی قول کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر آپ کو اب بھی ضرر کے قصد کا مفہوم سمجھ میں نہ آئے تو اس محروم یا مظلوم لڑکے کے دل کو چیر کر جھانکیں اس کے دل کا ہر قطرۂ خون پکار اٹھے گا کہ میرا باپ بڑا ظالم ہے اور اس کے اس ظلم سے مجھے بڑا ضرر پہنچا ہے۔ مگر ظلم کرنے والا چونکہ باپ ہوتا ہے اس لیے بے چارہ ظاہراً سامنے تو بول نہیں سکتا لیکن اندر سے اس کا دل فریاد کر رہا ہے۔

شاید اسی کا نام ہے مجبوریِ وفا
تم جھوٹ کہہ رہے ہو مجھے اعتبار ہے

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں:۔

جب اولاد کے درمیان عدل نہ کرے گا جس لڑکے کو کم دیا ہے یا محروم کیا گیا ہے۔

لانه یورث الضغینة الی الوالد — اس کے دل میں لامحالہ باپ کی طرف سے رنجش اور دُکھ پہنچے گا اور بھائیوں کے درمیان عداوت پھیل جائے گی۔

(حجۃ اللہ البالغہ صـ۳۳۹ ج۲)

محدث زیلعی حنفی لکھتے ہیں :۔

فیعرض فی قلبه شی یمنعه من برہ — اس لڑکے کے دل میں باپ کے حق میں نفرت یا کدورت پیدا ہو جائے گی جو اسے باپ کا نافرمان بنادے گی۔

(نصب الرایہ صـ۱۲۳ ج۴)

بیٹے کے دل میں باپ کے لیے نفرت یا رنجش تب ہو گی جب باپ کی طرف سے اسے پورا حصہ نہ ملنے سے ضرر پہنچا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو باپ کسی بیٹے کو زیادہ دیتا ہے اور دوسرے کو کم حقیقت میں وہ کم دینے والے کو ضرر پہنچا رہا ہے۔ اس میں باپ کی نیت کا اعتبار نہ ہو گا بلکہ اس کے عمل کو دیکھا جائے گا۔ اب اُس حدیث کا غور سے مطالعہ کیجیے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تو نے ہر ایک لڑکے کو ایک ایک غلام نہیں دیا تو میں اس ظلم پر گواہی نہیں دیتا۔ کیا آپ یہ سوچ سکتے ہیں کہ ایک صحابی جو اپنے ایک بیٹے کو غلام دے رہے تھے اس میں ان کا یہ قصد ہو گا کہ دوسرے بیٹوں کو ضرر پہنچے؟ کیا کوئی صحابی بھی اپنی اولاد پر ایسا ظلم گوارا کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ اُن صحابی کے قصد میں ضرر کا شائبہ تک نہ تھا۔ لیکن آپ نے ان کی نیت کا اعتبار نہیں فرمایا بلکہ ظاہری عمل کو ظلم کا حکم دے کر رد کر دیا اور فرمایا :۔

اتقوا اللہ واعدلوا — اللہ سے ڈرتے رہو اور اولاد کے درمیان

فی اولادکم۔ ہر معاملے میں عدل سے کام لو۔

## مساوات کے حصے

یہاں تک عدل کے وجوب اور مستحب کی بحث تھی۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ عدل کرنے میں لڑکی اور لڑکے کا کتنا کتنا حصہ ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ اور بعض محدثین کا مسلک یہ ہے کہ باپ اپنی زندگی میں اولاد کے درمیان اگر کوئی چیز تقسیم کرے تو اس میں بھی میراث کے مطابق حصے نکالے۔ یعنی لڑکی کو لڑکے کے نصف حصے کے برابر دے کیونکہ موت کے بعد جب لڑکی کو باپ کے ترکہ سے بیٹے کے حصے سے نصف ملتا ہے تو باپ کی زندگی میں بھی یہی عمل ہونا چاہیے لیکن امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ لڑکی کو لڑکے کے برابر حصہ ملے گا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت نعمانؓ کے والد کو فرمایا:۔

| | |
|---|---|
| الیسرك ان یستوی فی | کیا تو یہ بات پسند کرتا ہے کہ تیری تمام اولاد |
| برك قال نعم | تیرے ساتھ نیکی اور احسان میں برابر کا معاملہ |
| قال فسوّ بینھم | کریں۔ انھوں نے کہا جی ہاں! آپؐ نے فرمایا پھر تو بھی اپنی اولاد میں ہر چیز برابر تقسیم کر دے۔ |

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جب لڑکی باپ کی خدمت اور اس کے ساتھ نیکی کرنے میں لڑکے کے برابر درجہ رکھتی ہے تو وہ مال لینے میں بھی بھائی کے برابر حصہ لے گی کیونکہ یہ تقسیم باپ کی زندگی میں ہو رہی ہے جس طرح گھر میں خوراک و پوشاک میں لڑکی پر لڑکے کے برابر ہی خرچ ہوتا ہے تو عطیہ و ہبہ میں بھی لڑکی اپنے بھائی کے برابر ہی حق رکھتی ہے۔ (مغنی لابن قدامہ صـ۶۰۶ ج ۶)

اس تقسیم کے تحت باپ پر لازم ہے کہ اولاد کو جو چیز بھی بطور عطیہ یا ہبہ کے دینا چاہے تو لڑکی کا حصہ لڑکے کے برابر نکالے۔ محدث ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی کے دو لڑکے ہیں۔ اس نے بڑے لڑکے کی شادی پر کچھ خرچ کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ بیمار ہو گیا اس بیماری میں اسے بچنے کی امید کم نظر آتی ہے تو جتنا خرچ بڑے لڑکے کی شادی پر کیا تھا اتنا ہی خرچ چھوٹے لڑکے کو بھی دینا پڑے گا۔ اسی طرح دو لڑکیوں کا بھی یہی حکم ہے۔ ایک آدمی کی دو لڑکیاں ہیں اور اس کی مالی حالت کمزور ہے اس نے اس حالت میں بڑی لڑکی کی شادی کر دی، چونکہ مالی حالت کمزور تھی اس لیے اسے جہیز وغیرہ بھی معمولی دے سکا۔ کچھ عرصہ بعد اس کی مالی حالت بہتر ہو گئی اب اس نے دوسری لڑکی کی شادی پر زیادہ جہیز دیا۔ اب دوسری لڑکی کو پہلی لڑکی سے جتنا زیادہ دیا ہے اسی قدر باقی مال پہلی لڑکی کو بھی دینا پڑے گا۔

(مغنی ابن قدامہ ص۶۱۶ ج ۶)

بعض دفعہ اولاد کے حالات یکساں نہیں رہتے بعض حالات اضطراری ہوتے ہیں جیسے کوئی لڑکا اندھا یا اپاہج ہو گیا یا کسی حادثہ سے ایسا معذور ہو گیا ہے کہ کام کرنے کے قابل نہیں رہا۔ اور بعض حالات اختیاری ہوتے ہیں مثلاً دو لڑکے ہیں ایک کو پڑھنے کا شوق ہے مگر دوسرا ایسا ہے کہ نہ پڑھتا ہے اور نہ کوئی ہنر سیکھتا ہے۔ جو پیسہ ہاتھ لگتا ہے عیاشی میں اڑا دیتا ہے باپ کا ہر معاملے میں نافرمان ہے تو ان حالات میں عذرات اور خصائص کی وجہ سے شریعت نے اجازت دی ہے کہ نابینا بیٹے اور پڑھنے والے بیٹے پر زیادہ

خرچ کر سکتا ہے۔

اگر کسی کا لڑکا بدمعاش بن گیا ہے اصلاح کا ہر طریقہ استعمال کیا گیا ہے لیکن وہ اپنے کرتوتوں سے باز نہیں آتا، تو باپ اس سے اپنی ہر ایسی چیز روک سکتا ہے جس سے اس کی بدمعاشی میں اضافہ ہوتا ہو اُس چیز کو کسی دوسرے مصرفِ خیر میں خرچ کر دے لیکن بدمعاش بیٹے کو نہ دے۔ شرعی عاق کرنے کی بس اتنی اجازت ہے۔

(مغنی لابن قدامہ ص۶۰۵ ج ۶ عالمگیری ص۱۰۴ ج ۷)

# میراث سلب کرنے کا طریقہ

جن طریقوں سے میراث سلب کی جاتی ہے ان میں سے کچھ طریقے ایسے ہیں جنہیں زندگی میں استعمال کیا جاتا ہے اور کچھ موت کے بعد عموماً ان طریقوں کے تین ذرائع ہیں جن سے بعض وارث اپنے شرعی حصہ سے محروم ہو جاتے ہیں:۔

(۱) حالتِ صحت میں وارثوں کو ہبہ کر دینا اور بعض کو محروم کر دینا۔

(۲) مرض کی حالت میں وصیت کے ذریعہ بعض وارثوں کو ضرر پہنچانا۔

(۳) مرنے کے بعد جابر وارثوں کا کمزور وارثوں کے حصے حیلہ بازی سے سلب کر لینا۔

حالتِ صحت میں انسان جو کچھ اپنے مال سے کسی کو دیتا ہے اسے شرعاً ہبہ کہتے ہیں اور ایسا مرض جس میں بچنے کی امید نہ ہو اس حالت میں جو کچھ

اپنے مال میں سے کسی کو دیا جاتا ہے اسے شرعاً وصیت کہتے ہیں۔ پہلے آپ ہبہ اور وصیت کی شرعی حیثیت سمجھ لیں پھر آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ان دونوں طریقوں میں میراث سلب کرنے کے لیے کس غلط انداز سے کام لیا جاتا ہے۔ جاہل عوام تو اپنی جاہلیت کی وجہ سے غلطی کرتے ہیں لیکن بعض پڑھے لکھے لوگ شرعی حیلوں کی آڑ میں وصیت اور ہبہ کے ذریعے دوسرے کا ورثہ چھین لیتے ہیں۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد وارث کسی دوسرے وارث کا حصہ غصب کر لیتے ہیں جیسے بھائی اپنی بہنوں کا حصہ ان کی مرضی سے یا کسی دباؤ سے غصب کر لیتے ہیں۔ بہن کے ایسے ہبہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ عموماً ایسے ہبہ میں شرعاً تملیک نہیں ہوتی۔ اس لیے یہ ہبہ بہن کو اس کے جائز حق سے محروم کر دیتا ہے۔

## زندگی میں ہبہ کرنے کا شرعی طریقہ

جو آدمی صحت کی حالت میں کسی دوسرے کو کچھ مال ہبہ کرتا ہے اسے شرعی اصطلاح میں واہب کہتے ہیں اور جسے مال ہبہ کیا جاتا ہے اسے موہوب لہٗ کہتے ہیں اور جس چیز کو ہبہ کیا جاتا ہے اسے موہوب کہتے ہیں۔ واہب موہوب اور موہوب لہٗ کے لیے شریعت میں حدود مقرر کر دیے گئے ہیں اگر ان تینوں میں سے کسی ایک کی حدود سے بھی تجاوز کیا گیا تو ایسا ہبہ شریعت میں باطل ہو جائیگا۔ آپ ان تینوں اصطلاحوں کو ذہن میں محفوظ کر لیں تاکہ ہبہ کے اصول و قواعد سمجھنے میں آسانی رہے۔

شریعت میں ہبہ کی تعریف یہ ہے :-

| | |
|---|---|
| شریعت میں ہبہ اُسے کہتے ہیں کہ آدمی اپنی کسی چیز پر کسی دوسرے کو بلا عوض مالک کر دے ہبہ اس وقت درست ہے کہ واہب کی طرف سے ایجاب ہو اور موہوب لہٗ اس کو قبول کر کے اس پر قبضہ کر لے ہبہ کرنا ایسی چیز کا درست ہے جو واہب کے قبضہ میں تقسیم ہو کر آگئی ہو۔ اور اگر مشترک چیز جو تقسیم کے قابل نہیں ہے جیسے کنواں تو اس میں سے کوئی اپنا حصہ ہبہ کر دے تو درست ہے۔ اور جو تقسیم ہو سکتی ہے جیسے زمین۔ تو اس میں سے کوئی ہبہ کرنا درست نہیں ہے۔ ہاں اگر مشترک کو تقسیم کر کے موہوب لہٗ کے حوالے کر دے گا تو یہ ہبہ درست ہو جائے گا۔ | الھبۃ ھی تملیک العین بلا عوض و تصح بایجاب و قبول و قبض فی محوز مقسوم ومشاع لا یقسم لا فیما یقسم فان قسمہ وسلمہ صح<br>کنز الدقائق و عینی ص۳۰۲ |

اور شریعت میں واہب (ہبہ کرنے والا) اسے کہتے ہیں جس میں یہ شرائط پائے جاتے ہوں۔ اگر ان میں سے ایک شرط بھی مفقود ہو تو اس کا ہبہ کیا ہوا باطل ہو جائے گا۔

| | |
|---|---|
| ہبہ کے صحیح ہونے کی شرائط یہ ہیں کہ واہب عاقل اور بالغ ہو اور جو چیز ہبہ کر رہا ہے اس پر اس کو پورا قبضہ حاصل ہو۔ نابالغ اپنی چیز کو ہبہ نہیں کر سکتا۔ | وشرائط صحتہا فی الواھب العقل والبلوغ والملك فلا تصح ھبۃ صغیر الخ<br>رد المحتار ص۵۰۸ ج ۴ |

موہوب (جس چیز کا ہبہ ہو سکتا ہے) کے شرائط یہ ہیں :-

| | |
|---|---|
| شرائط صحتہا فی الموھوب | موہوب کے صحیح ہونے کی شرائط یہ |
| ان یکون مقبوضاً | ہیں کہ ہبہ کی چیز پر پورا قبضہ |
| غیر مشاع (در المختار) | ہو اور وہ مشاع نہ ہو۔ |

ہبہ۔ واہب۔ موہوب لہٗ اور موہوب کی اوپر جو مختصر تعریف کی گئی ہے دقیق اختصار کی وجہ سے عام ذہن اسے جلدی تفہیم نہ کر سکیں گے مگر آگے مختلف مسائل اور مثالوں کی صورت میں اچھی طرح وضاحت ہو جائے گی۔ بڑے علماء تو ہبہ کے تمام اصول اچھی طرح جانتے ہیں زیادہ وضاحت سے مقصود یہ ہے کہ عوام بھی ان مسائل سے اچھی طرح واقف ہو جائیں۔

ہبہ کی بنیادی شرط یہ ہے کہ جس چیز کا ہبہ کر رہا ہے وہ چیز اس کے قبضہ میں ہو اور اس کا صحیح مالک ہو۔ اگر وہ چیز ایسی ہے جو تقسیم ہو سکتی ہے جیسے مکان یا زمین، اگر اس مکان کا کچھ حصہ کسی کو ہبہ کرے تو اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے اس حصہ کو اس مکان سے تقسیم کر کے علیحدہ کر لے علیحدہ کرنے کے بعد جس کو ہبہ کرنا چاہتا ہے اس پر اس کا پورا قبضہ کرا دے جب لینے والا اس حصہ پر اچھی طرح قبضہ کر لے تو شریعت میں یہ ہبہ درست ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر ایک مکان میں چند آدمی شریک ہیں اور ان میں سے ایک آدمی اپنا حصہ کسی کو ہبہ کرنا چاہتا ہے تو پہلے اپنے شریکوں سے اپنا حصہ علیحدہ کر لے۔ علیحدہ کرنے کے بعد اس پر قبضہ کرے جب اس پر قابض ہو جائے گا تو اب اپنے حصے کو ہبہ کر سکتا ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ہبہ کرنے والا عاقل اور بالغ ہو۔ کم عقل اور نابالغ اپنی چیز کا ہبہ نہیں کر سکتا کم عقل اس لیے

ہبہ نہیں کر سکتا کہ اس چیز کے نفع اور نقصان کے انجام کو نہیں سمجھ سکتا۔ اگر کوئی اس سے چیز لے لے تو وہ غصب میں شمار ہو گی۔ اسی طرح نابالغ بچہ بھی اپنی کم فہمی سے ہبہ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا اور موہوب (ہبہ کی ہوئی چیز) ہبہ میں تب داخل ہو سکتی ہے کہ لینے والا اسے قبول بھی کر لے اور قبول کرنے کے بعد اس چیز پر پوری طرح قبضہ بھی کر لے۔ جو عوارض قبضہ کرنے میں رکاوٹ پیدا کریں گے ہبہ کی شرعی حیثیت میں فرق آجائے گا۔

ہبہ کی ایک شرط یہ ہے کہ حالتِ صحت میں ہبہ کرے۔ ایسا مرض جس میں اس کی موت آجائے اس مرض میں جو بھی ہبہ کرے گا اس ہبہ کا حکم وصیت کے حکم میں داخل ہو جائے گا۔ مثلاً کوئی آدمی حالتِ مرض میں اپنی جائداد کا نصف حصہ کسی کو ہبہ کر دے اس کے بعد اس کی موت آجائے تو لینے والے کو اس کے تہائی حصے میں سے ملے گا اگرچہ وہ قبضہ بھی کر چکا ہو اس کا قبضہ باطل ہو جائے گا۔ تہائی حصہ لینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ اس کے وارثوں پر تقسیم ہو گا۔

ہبہ کرنے والے کو یہ بھی مناسب ہے کہ اپنے مال سے اس قدر ہبہ کرے جس میں وارثوں کو نقصان نہ پہنچے۔ اگر وارث غریب ہوں تو ہبہ کرنے میں بہت احتیاط سے کام لے۔ اسی طرح اپنے کسی لڑکے کو بھی ایسی چیز ہبہ نہ کرے جسے دوسری اولاد پسند نہ کرے اور بعد میں عداوت کا موجب بن جائے۔

میں نے آسان عبارت میں ہبہ کی بنیادی شرائط کو بیان کر دیا ہے،

آپ انھیں اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کریں تاکہ آگے ہبہ کی جن جزئیات پر بحث ہوگی ان کی تفہیم میں کسی قسم کا الجھاؤ نہ پیدا ہو. کیونکہ ہبہ کے غلط استعمال سے میراث کے حقوق کو بہت نقصان پہنچ رہا ہے. وہ کون سا انسان ہے جو اپنی زندگی میں اپنے اقارب وغیرہ کو کوئی چیز نہ دیتا ہو اس لیے ہبہ کی شرعی صورت کو سمجھنا ہر مسلمان کے لیے بے حد ضروری ہے۔

اب ہبہ کی اہم جزئیات کی شرعی دلائل کے ساتھ وضاحت کی جاتی ہے

جو آدمی ہبہ کرتا ہے اسے واہب (ہبہ کرنے والا) کہتے ہیں. شریعت میں واہب کے لیے شرائط یہ ہیں :۔

| | |
|---|---|
| اما الواهب فانهم اتفقوا الى انه تجوز هبته اذا كان مالكا للموهوب صحيح الملك وذلك اذا كان فى حال الصحة و حال اطلاق اليه ۔ | تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ ہبہ کرنے والا کا ہبہ تب درست ہوتا ہے جب کہ وہ ہبہ کی چیز کا صحیح مالک ہو اور اس پر پورا قبضہ رکھتا ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ ہبہ صحت کی حالت میں اور مالی فراغت کے ساتھ ہو۔ |
| ہدایۃ المجتهد ص۳۰۷ ج ۲ | |

اور جس چیز کا ہبہ کیا جاتا ہے اسے موہوب کہتے ہیں. شریعت میں موہوب چیز کے لیے یہ شرط ہے :۔

| | |
|---|---|
| وما الموهوب فكل شى صح ملكه | ہبہ اس چیز کا ہو سکتا ہے جس کی ملکیت صحیح ہو. یعنی مقبوض ہو۔ |
| ہدایۃ المجتهد ص۳۰۸ ج ۲ | |

جسے ہبہ کی چیز دی جاتی ہے اُس لینے والے کو موہوب لہٗ کہتے ہیں، اس کے لیے

یہ شرائط ہیں :۔

| | |
|---|---|
| ومن شرط الموهوب له ان یکون ممن یصح قبوله وقبضه | موہوب لہ کے لیے یہ شرط ہے کہ ہبہ کی چیز کو قبول کرے اور قبول کرنے کے بعد اس پر اپنا قبضہ کر لے (یعنی قبول اور قبضہ کی اہلیت رکھتا ہو) |
| ہدایۃ المجتہد ص۳۰۹ ج ۲ | |

ہبہ کرنے والے کی شرائط میں گزر چکا ہے کہ وہ عاقل اور بالغ ہو۔ بے وقوف اور نابالغ نہ ہو۔ دوسرے ہبہ کرنے کی استطاعت بھی رکھتا ہو۔ اگر وہ مفلسی کی وجہ سے اس چیز کا خود محتاج ہے تو اس کا ہبہ شریعت میں درست نہ ہوگا۔

امام ابن رشد فرماتے ہیں :۔

| | |
|---|---|
| واما السفهاء والمفلسون فلا خلاف عند من یقول بالحجران هبتهم غیر ماضیة | جن ائمہ کے نزدیک کم عقل اور مفلس کا تصرف منع ہے ان کا ہبہ بھی شریعت میں درست نہیں ہے۔ |
| ہدایۃ المجتہد ص۳۰۷ ج ۲ | |

ہبہ میں قبضہ کرنے کی دو شرطیں ہیں ایک شرط ہبہ کرنے والے پر ہے اور دوسری شرط ہبہ لینے والے پر۔ واہب پر یہ شرط ہے کہ جس چیز کا ہبہ کر رہا ہے وہ چیز مشترک نہ ہو۔ اشتراک کی حالت دو قسم پر ہوگی، ایک تو یہ کہ جس چیز کا ہبہ کر رہا ہے اس چیز میں کچھ دوسرے آدمی بھی شریک ہوں مثلاً ایک مکان تین بھائیوں کا مشترکہ ہے اس میں ایک بھائی اپنا حصہ کسی کو ہبہ کرنا چاہتا ہے تو پہلے اپنا حصہ دونوں بھائیوں سے علیحدہ کرے گا۔ علیحدگی کے بعد جب اس پر پورا قبضہ ہو جائے گا۔ اب اس کے بعد وہ جسے چاہے اپنا یہ حصہ ہبہ کر سکتا ہے۔

اشتراک کی دوسری قسم یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے مکان کا چوتھا حصہ کسی کو ہبہ کرنا چاہتا ہے تو اس حصے کی صرف تحریر اور اقرار سے ہبہ درست نہ ہوگا جب تک اس حصے کو علیحدہ کر کے لینے والے کے حوالے نہ کر دے جب لینے والا اس پر پوری طرح قابض ہو جائے گا تب یہ ہبہ شرعاً درست ہوگا۔ صحیح قبضہ اسے کہتے ہیں کہ اس کی ہر منفعت سے پورا فائدہ اٹھانے لگے ائمہ احناف کے نزدیک ہبہ پر قبضہ کرنے کی دلیل یہ ہے:۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی زندگی میں حضرت عائشہؓ کو اپنے باغ میں سے چند کھجور کے درخت دیے تھے جن سے کئی من کھجور حاصل ہوتی تھی۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ میں نے تجھ کو جتنے کھجور کے درخت ہبہ کیے تھے تو نے ابھی تک نہ ان درختوں کا پھل توڑا اور نہ ان پر قبضہ کیا اگر تو ایسا کرتی تو یہ مال تیرا ہو جاتا۔

فانما ھو الیوم مال وارث فاقتسموہ علی کتاب اللہ۔

لیکن آج کے دن اس مال میں تمام وارثوں کا حق ہے میری موت کے بعد اس مال کو قرآن کے احکام کے مطابق تقسیم کر دینا۔

(موطا امام مالکؒ ص ۳۷۶ نیل الاوطار ج ۵ ص ۲۹۶)

حضرت عائشہؓ نے چونکہ ان کھجوروں پر قبضہ نہیں کیا تھا اس لیے وہ مال حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ملکیت میں بحال رہا۔ اور وفات کے وقت آپ نے واضح کر دیا کہ وہ ہبہ باطل ہو گیا ہے۔ اب اس مال میں تمام وارث شریک ہونگے۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر موہوب لہٗ (ہبہ لینے والا) ہبہ کی چیز پر پورا قبضہ کر لے۔ اور قبضہ کے بعد اگر وہ مر جائے تو اس ہبہ میں موہوب لہٗ کے وارث ہی حق دار ہوں گے۔ نہ ہبہ کرنے والا اسے واپس لے سکتا ہے اور نہ اس کے وارث واپس لینے کا حق رکھتے ہیں۔ مگر قبضہ صرف اقرار اور تحریری اشٹام پیپر سے صحیح نہیں ہوتا جب تک ہبہ کی چیز پر موہوب لہٗ پورا پورا قبضہ نہ کر لے۔ عالمگیری میں ہے:۔

ایک آدمی کی زمین کسی دوسرے آدمی کے ساتھ مشترکہ ہے اس نے اپنے بیٹے کے نام ہبہ کر کے اپنے شریک کو لکھ دیا کہ میں نے اپنا حصہ اپنے لڑکے کو ہبہ کر دیا ہے۔ تو جب تک اس کا لڑکا اس زمین پر پورا قبضہ نہ کر لے اس زمین کا مالک نہیں بن سکتا۔ (عالم گیری ص ۱۰۶ ج ۷)

یعنی اگر اس کا باپ مر جائے تو صرف تحریر کے ذریعے یہ ہبہ نہیں لے سکتا۔ بلکہ یہ ہبہ تمام وارثوں میں تقسیم ہو جائے گا اور ہبہ میں صرف اقرار بھی کافی نہیں ہے۔

لو وهبت من ابنها ما علی ابیہ لها فالمعتمد الصحۃ للتسلیط۔

ایک عورت جس کا حق مہر اس کے خاوند کے ذمے ہے۔ ایک بیٹا جو اسی خاوند سے ہے وہ عورت اپنا حق مہر اپنے بیٹے کو ہبہ کر دیتی ہے۔ تو جب تک اپنے خاوند سے وصول کر کے بیٹے کو قبضہ نہ کرا دے ہبہ صحیح نہیں ہوگا۔

الاشباہ والنظائر ص ۳۹۴
عالمگیری ص ۱۰۶ ج ۷

یعنی اس ہبہ میں عورت کا اقرار کافی نہیں ہے جب تک لڑکا حق مہر کو وصول کر کے قبضہ نہ کرلے۔ ہبہ کے قبضہ کی دوسری شرط یہ ہے کہ وہ چیز مشترک نہ ہو۔ اگر مشترک ہو تو جب تک اسے تقسیم نہ کیا جائے ہبہ صحیح نہیں ہوسکتا۔ مشترک چیز کے ہبہ میں چونکہ بہت سے مظلوموں کا ورثہ غصب کیا جاتا ہے اس لیے آپ اسے اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کریں۔

امام اعظم کے مسلک میں ہے:۔

| | |
|---|---|
| لا تصح هبة المشاع غير المقسوم ان القبض فيها لا يصح الا مفردة (ہدایۃ المجتہد ص۳۰۹ ج۲) | مشاع جس کی تقسیم نہ کی گئی ہو اس کا ہبہ ناجائز ہے کیونکہ اس میں قبضے کا عمل صحیح نہیں ہوسکتا جب تک کہ تقسیم کر کے علیحدہ نہ کر دیا جائے۔ |

شرعی اصطلاح میں مشاع اسے کہتے ہیں جو مشترک ہو اور اس کی تقسیم نہ ہوئی ہو۔ ہاں ایسا مشاع جو تقسیم کرنے کے قابل نہ ہو اگر اسے تقسیم کیا جائے تو منفعت کے قابل نہ رہے جیسے ایک چکی ہے کوئی آدمی اس کا چوتھا حصہ ہبہ کرنا چاہتا ہے۔ چونکہ چکی کا ¼ حصہ تقسیم نہیں ہوتا اس لیے جب لینے والا چکی پر قبضہ کرلے گا تو اس کے ¼ حصے کا ہبہ بھی صحیح ہو جائے گا۔ اور ایسی مشترک چیز جس کی تقسیم ہوسکتی ہے اور تقسیم ہونے کے بعد بھی اس کے حصے قابل منفعت رہیں یعنی جو فائدہ مشترک میں تھا اس کے حصے کرنے کے بعد بھی وہ فوائد برقرار رہیں ایسے مشترک کا ہبہ امام اعظم کے نزدیک بالکل درست نہیں ہے جب تک اس مشترک کو تقسیم کر کے موہوب لہ کے حوالے نہ کر دیا جائے۔ جیسے صاف زمین

یا ایک گھر ہے اور وہ مکان یا زمین چند شریکوں میں مشترک ہے۔ اگر کوئی اپنا حصہ ہبہ کرنا چاہتا ہے تو جب تک شریکوں سے اپنا حصہ علیحدہ نہیں کرے گا اس کا ہبہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ شرح وقایہ میں ہے:۔

خواہ ہبہ اسے کرے جو اس مکان میں اس کا شریک ہے یا کسی دوسرے غیر آدمی کو مشترک قبل از تقسیم کا ہبہ درست نہیں ہے۔ ائمہ احناف نے لکھا ہے کسی نے اپنی زمین میں کھڑے ہوئے کھیت اور اُگے ہوئے درختوں کا ہبہ کر دیا تو ان کا حکم بھی مشاع میں داخل ہے۔ یعنی ان کا ہبہ درست نہ ہوگا۔

(شرح وقایہ صفحہ ۱۶۵)

درست ہونے کی صورت یہ ہے کہ کھیتی اور درختوں کو کاٹ کر زمین سے علیحدہ کرے پھر انہیں ہبہ کرے تو درست ہے۔

مشاع کی دوسری مثال یہ ہے:۔

ایک مکان جس کے دو آدمی مالک ہیں اگر دونوں نے ایک ہی آدمی کو ہبہ کر دیا تو یہ جائز ہے۔ اور اگر ایک آدمی نے اپنا مکان دو آدمیوں کو ہبہ کر دیا تو یہ ہبہ ناجائز ہے کہ اس میں مشاع کا عمل داخل ہے۔

(کنز الدقائق و شرح وقایہ صفحہ ۱۶۶ ج ۳)

جائز ہونے کی صورت یہ ہے کہ پہلے مکان کو دو حصوں میں تقسیم کرے پھر ہر ایک حصے پر ان دونوں کا علیحدہ علیحدہ قبضہ کرائے پھر اس مکان کا ہبہ درست ہو جائے گا۔ جو بھائی اپنی بہنوں سے انتقال کے ذریعے زمین حاصل کر لیتے ہیں ان کو ہبہ کے ان مسائل پر غور کرنا چاہیے کہ جس مشترک زمین میں بہن کا

حصہ شامل ہے جب تک وہ اپنے حصے کو علیحدہ کر کے قبضہ نہ کر لے وہ اپنے حصہ کا کس طرح ہبہ کر سکتی ہے۔

اشتراک کی دوسری صورت یہ ہے کہ اپنے مکان کا کچھ حصہ کسی کو ہبہ کر رہا ہے اور باقی مکان خود رکھا ہے۔ اس ہبہ کی شرعی صورت یہ ہے:۔

| | |
|---|---|
| من وهب شقصا مشاعا | مکان یا کسی چیز کا کچھ حصہ اگر کوئی ہبہ |
| فالهبة فاسدة فان | کرے تو یہ ہبہ ناجائز ہے ہاں پہلے |
| قسمه وسلمه جاز لان | اس مکان سے اس حصے کو تقسیم کر کے جدا |
| تمامه بالقبض | کر کے پھر اس کے سپرد کرے کیونکہ ہبہ قبضہ |
| (ہدایہ باب الهبة) | کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔ |

## میراث سلب کرنے کا ہبہ

اگرچہ حالتِ صحت میں ہر انسان کو اختیار ہے کہ اپنا سارا مال کسی کو دیدے لیکن بعض دفعہ اس اختیار سے ضرر کا احتمال پیدا ہو جاتا ہے اس لیے بعض ہبے ایسے ہیں جن میں نہایت حزم و احتیاط سے کام لینا چاہیے تاکہ کسی مظلوم کے حق میں نقصان نہ پہنچ جائے جیسے بعض لوگ اپنی زندگی میں اپنی تمام جائداد لڑکوں کے نام کرا جاتے ہیں تاکہ مرنے کے بعد لڑکیاں کچھ نہ لے سکیں۔ یا کسی ایک لڑکے کو تمام مال دیدیا اور دوسرے کو کچھ نہ دیا۔ یا اولاد میں سے کسی کو بہت زیادہ دے دیا اور کسی کو بہت کم۔ ان تمام صورتوں میں دوسرے کا حق غصب ہو جاتا ہے اس لیے ایسے ہبہ سے اجتناب کرے۔

امام قیروانی فرماتے ہیں :۔

| | |
|---|---|
| ویکرہ ان یھب لبعض ولدہ مالہ کلہ | اگر کوئی آدمی اپنی تمام جائداد کسی ایک لڑکے کو ہبہ کرے اور دوسروں کو کچھ نہ دے |

(شرح رسالہ قیروانی ص۲ ج۲) تو ایسی بات شرعاً بالکل ناپسندیدہ ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں :۔

| | |
|---|---|
| ولا یجوز ان یھب بعض الاولاد جمیع المال دون بعض۔ | اولاد میں سے کسی کو تمام مال ہبہ کر دے اور کسی کو بالکل نہ دے ایسا ہبہ جائز نہیں ہے |

احناف کی مشہور کتاب درالمختار میں ہے :۔

| | |
|---|---|
| ولو وھب فی صحتہ کل المال للولد جاز واثم۔ | اگر کوئی اپنی صحت کی حالت میں اپنا تمام مال ایک لڑکے کو ہبہ کر دے اور دوسروں کو کچھ نہ دے اس کے اختیار کے لحاظ سے تو درست ہے لیکن شرعاً گنہگار |
| (درالمختار کتاب الہبہ) | یعنی آخرت میں مواخذہ ہوگا۔ |

جب والد اپنی زندگی میں اولاد میں سے کسی کو دے اور کسی کو نہ دے تو لازمی ہے کہ دوسرے کو ضرر پہنچے گا۔ خواہ وہ اپنے ہبہ کی سو تاویلیں کرے ضرر رسانی کے فعل سے نہیں بچ سکتا۔ قاعدہ ہے جس عمل سے ضرر پہنچے اور وہ فعل عمداً بھی ہو تو اس میں اس کا ارادہ ضرور شامل ہوتا ہے۔ ایسے ہبہ میں جب دوسرے کو ضرر پہنچ رہا ہو تو تمام اولاد میں مساوات کرنا واجب ہے۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں :۔

تجب التسویۃ ان قصد بالتفضیل الاضرار

اگر اولاد میں سے کسی کو زیادہ دینے سے دوسرے کو ضرر پہنچانے کا ارادہ ہو تو اس وقت شریعت میں واجب ہے کہ ان کے درمیان برابر تقسیم کرے۔

(نیل الاوطار ص۶ ج۶)

اگر کسی نے تقسیم میں عدل نہ کیا اور اپنے فیصلے کو برقرار رکھا حتیٰ کہ اسے موت آگئی۔ آیا اس فیصلے میں شریعت کا کیا حکم ہے۔ ائمہ احناف نے تو یہ فیصلہ کیا ہے کہ اگر کسی کو ضرر پہنچانے کا ارادہ نہ ہو اور کوئی چیز اولاد میں سے کسی ایک کو زیادہ دیدے تو ایسی تفضیل کا کوئی حرج نہیں ہے اور اگر ضرر دینے کا ارادہ ہو تو پھر ان میں برابر تقسیم کردے۔

(در المختار)

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ضرر کے وقت برابر تقسیم کرنا واجب ہے اگر اس نے برابر تقسیم نہ کیا تو یہ اس کا فعل شرعی وجوب کے خلاف ثابت ہوگا۔ واجب کے ترک سے لازمی ہے کہ ایسے ہبہ میں خلل آجائے گا۔

امام ابن رشد فرماتے ہیں:۔

واتفقوا علی ان الانسان ان یھب جمیع ماله لاجنبی واختلفوا فی تفضیل الرجل بعض ولدہ علی بعض فی الھبۃ او فی ھبۃ جمیع ماله لبعض دون بعض فقال جمھور الفقھاء بکراھیۃ ذلك

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ آدمی اپنا تمام مال کسی اجنبی کو دیدے ہاں اولاد کے درمیان تفضیل میں اختلاف ہے کہ کسی کو کسی سے زیادہ دے یا کسی ایک کو سارا

لہ ولکن اذا وقع عندھم جاز وقال مالك یجوز التفضیل ولا یجوز ان یھب بعضھم جمیع المال دون بعض۔

(بدایۃ المجتھد صفحہ ۳۰۸ ج ۲)

مال دے دے۔ جمہور فقہاء کہتے ہیں کہ یہ فعل والد کے لیے غیر مناسب ہے، اگر ایسا ہبہ ہو جائے تو یہ ہبہ درست ہے امام مالکؒ فرماتے ہیں تفضیل کا فیصلہ تو درست ہے لیکن اولاد میں سے کسی ایک کو سارا مال دے دینا درست نہیں ہے۔

اور احناف کے نزدیک یہ ہے کہ اگر کوئی حالتِ صحت میں تمام مال ایک ہی لڑکے کو ہبہ کردے اور دوسروں کو کچھ نہ دے۔ ایسا فیصلہ تو درست ہے لیکن عدم مساوات کی وجہ سے گنہ گار ہوگا۔ (در المختار صفحہ ۱۲۰ ج ۲)

ان عبارتوں میں ائمہ کا جو مسلک بیان کیا گیا ہے اس کی تلخیص یہ ہے:۔

اولاد میں سے کسی کو زیادہ دے یا کم یا کسی ایک کو تمام مال دیدے جمہور فقہاء ایسے ہبہ کو ناپسند فرماتے ہیں لیکن ہونے کے بعد اس ہبہ کو رد نہ کیا جائے گا امام مالک تفضیل کو درست فرماتے ہیں لیکن ایک ہی لڑکے کو تمام مال دیدے تو ان کے نزدیک یہ ہبہ ناجائز ہوگا۔ احناف کے نزدیک یہ ہبہ تو نافذ ہے، لیکن کرنے والا گنہ گار ہوگا۔ تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی کا بھی مسلک باطل نہیں ہے اور یہ بھی نہیں ہے کہ تمام حق ایک امام کے ہی مسلک میں محصور ہو۔ کسی مسئلے میں اختلاف کے وقت جس کے دلائل زیادہ قوی ہوں گے وہی مسئلہ عمل کے لحاظ سے زیادہ افضل ہوگا۔

آج کل بعض مسلمان اپنی زندگی میں غلط تصرف کر کے لڑکیوں یا کسی دوسرے کمزور وارث کو محروم کر دیتے ہیں۔ زندگی کے تصرف کو چونکہ جواز کا درجہ دیا گیا ہے اس لیے اس کی آڑ میں ہزاروں کمزوروں کا حق مارا جاتا ہے اس لیے اگر ان غلط تصرفات کو شریعت کی کسی دلیل سے باطل قرار دیا گیا ہو تو ضرورتِ شدیدہ کے تحت وہ دلیل خواہ کسی مسلک سے تعلق رکھتی ہو قبول کر لینی چاہیے۔ ہمارے ائمہ احناف نے بھی اجازت دی ہے کہ ضرورتِ شدیدہ کے تحت دوسرے امام کے مسلک پر عمل ہو سکتا ہے۔ میراث جیسی اہم چیز کو اگر کسی دلیل سے نقصان پہنچ رہا ہے تو ایسی دلیل کو رد کر دینا چاہیے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں :-

ان المبیح والحاظر اذا تعارضا جعل الحاظر متاخراً

مباح کرنے والا حکم اور منع کرنے والا حکم جب ایک مسئلے پر جمع ہو جائیں تو منع کرنے والا متاخر ہوگا یعنی فیصلہ اسی پر ہوگا۔

(بنایہ شرح ہدایہ)

اگر کوئی آدمی اپنی زندگی میں تمام جائداد اپنے لڑکوں کو دیدے اور لڑکیوں کو کچھ نہ دے یا کسی لڑکے کو تو بہت زیادہ دیدے اور کسی کو کم یا کسی ایک لڑکے کے نام تمام جائداد ہبہ کر دے۔ ان تمام صورتوں میں انتقال، تحریر، رجسٹری اور قانونی قبضے کی تمام شرائط بھی پوری کر دے تو ایسی صورت میں لازمی بات ہے کہ اس کے مرنے کے بعد بعض وارث اپنے شرعی حق سے بالکل محروم ہو جائیں گے۔

اگر جواز کے حیلوں کو عام ترویج دیدی جائے تو رفتہ رفتہ نتیجہ یہی نکلے گا کہ

میراث کا قانون خود بخود منسوخ ہوجائے گا۔ اس لیے بعض ائمہ کے نزدیک یہ تمام صورتیں باطل ہیں۔ اگر کوئی ایسے ہبہ کو برقرار رکھے گا تو مرنے کے بعد یہ ہبہ قابلِ عمل نہ رہے گا۔ ہبہ کا قبضہ باطل ہوجائے گا اور وہ ہبہ تمام وارثوں میں تقسیم ہوجائے گا۔ حضرت نعمان بن بشیرؓ کی حدیث جس کا ذکر پہلے ہوچکا ہے سبل السلام کے مؤلف اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں :۔

الحدیث دلیل علی وجوب المساوات بین الاولاد فی الھبۃ وقد صرح بہ البخاری وھو قول احمد واسحٰق وآخرین انھا باطلۃ مع عدم المساوات من امرہ صلی اللہ علیہ وسلم بارجاعہ ۔ (سبل السلام شرح بلوغ المرام باب الھبۃ)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اولاد میں مساوات کرنا واجب ہے۔ امام بخاری نے یہی تصریح کی ہے۔ امام احمد امام اسحٰق اور دوسرے ائمہ کا بھی یہی قول ہے کہ جس ہبہ میں مساوات نہ ہو وہ ہبہ باطل ہے کیونکہ آپؐ نے فرمایا تھا کہ اس چیز کو واپس کرلے۔

امام ابن رشد لکھتے ہیں :۔

قالوا والامر بجارع یقتضی بطلان الھبۃ ۔ (ہدایۃ المجتہد صفحہ ۳۰۸ ج ۲)

آپؐ کا حضرت نعمانؓ کے والد کو یہ فرمانا کہ جو چیز اپنے لڑکے کو دی ہے واپس کرلے اس سے ایسے ہبہ کا جس میں مساوات نہ ہو بطلان ثابت ہوتا ہے۔

محدث ابن قدامہ فرماتے ہیں :۔

وھو دلیل علی التحریم لانہ سماہ

آپؐ کا حضرت نعمانؓ کے والد کے ہبہ کو

جوًرا وامرہ بردہ والجور حرام و الامر یقتضی الوجوب۔
(مغنی لابن قدامہ صہ ۶۵ ج ۵)

ظلم فرمانا اور اسے واپس لینے کا حکم دینا یہ تحریم پر دلالت کرتا ہے کیونکہ ظلم حرام ہے اور آپؐ کا حکم دینا وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

جو علماء حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہبہ سے جو آپ نے حضرت عائشہؓ کو کیا تھا، تفضیل کی دلیل پکڑتے ہیں۔ محدث ابن قدامہ فرماتے ہیں:۔

حضرت عائشہؓ چونکہ امہات المومنین میں سے تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کے خصائص میں سے تھا کہ ان کی مالی امداد کی جائے نیز وہ معاش کے لحاظ سے ضرورت مند تھیں۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے دوسری اولاد کو بھی اتنا ہی مال دینے کا ارادہ کر رکھا ہو کہ اچانک موت کا پیغام آگیا۔
(مغنی لابن قدامہ صہ ۶۰۵ ج ۶)

ان روایات سے ثابت ہوا کہ اگر زندگی میں اولاد کے درمیان عدل نہ کیا جائے، کسی کو کم یا زیادہ دیا جائے تو یہ ہبہ باطل ہو جائے گا۔

محدث ابن قدامہ اس کے بطلان کی ایک دلیل یہ فرماتے ہیں:۔

اولاد کو جو زندگی میں جائداد کا ہبہ کرایا جاتا ہے گویا وہ ایک گونہ میراث میں تصرف کر رہا ہے۔ اس لیے بعض ائمہ کے نزدیک یہ ہے کہ ہبہ کی مساوات میں میراث کی طرح عمل نافذ ہوگا یعنی لڑکی کو لڑکے سے نصف ملے گا جب آدمی مر جاتا ہے اگر ہبہ میراث کی تقسیم پر ہوگا تو مرنے کے بعد بھی ان میں صحیح میراث تقسیم ہو جائے گی۔ اور اگر زندگی میں کسی کو کم اور کسی کو زیادہ دیا اور انہوں نے اس پر قبضہ بھی کر رکھا ہے تو مرنے کے بعد باقی وارثوں کے حصوں میں خلل آجائے گا۔

اس کی مثال یوں سمجھیے کہ ایک آدمی کا ایک لڑکا اور دو لڑکیاں ہیں اس کی کل جائداد جس کی مالیت بیس ہزار ہے اگر اس نے اپنی جائداد کا پانچواں حصہ لڑکے کے نام ہبہ کر دیا باقی جائداد سولہ ہزار کی رہ گئی۔ اب وہ آدمی مرگیا میراث کے قانون کے مطابق سولہ ہزار میں سے ہر لڑکی کو چار چار ہزار ملے گا اور لڑکے کو آٹھ ہزار۔

اگر وہ لڑکے کو زندگی میں ہبہ نہ کرتا اور مرجاتا تو اب لڑکی کو پانچ پانچ ہزار ملتا اور لڑکے کو دس ہزار لیکن وہ ہبہ کی وجہ سے لڑکیوں کا دو ہزار زائد لے گیا اگر وہ ہبہ میں مساوات کرتا لڑکے کو پانچواں حصہ چار ہزار ملتا مساوات کے قاعدے سے لڑکیوں کو دو دو ہزار ملتا اور جو جائداد بچ جاتی مرنے کے بعد پھر اس میں سے ہر ایک کو شرعی حق پورا مل جاتا۔ اس مثال سے دیکھیے زندگی میں اولاد کے درمیان عدل نہ کرنے سے میراث کے وجود کو کس طرح نقصان پہنچ جاتا ہے۔ اب رہا یہ کہ اگر کوئی اپنی اولاد میں سے کسی کو زیادہ جائداد ہبہ کر دے اور لڑکا باپ کی تمام باقی عمر میں اس سے فائدہ اٹھاتا رہے اس کے بعد باپ مرجائے تو یہ ہبہ جو والد اسے زندگی میں دے گیا تھا اس کا شریعت میں کیا حکم ہے۔ اکثر ائمہ کی رائے یہی ہے اگر اس ہبہ کے پورے شرائط پائے جاتے ہیں تو اس کے باقی وارث اس سے یہ ہبہ واپس نہیں لے سکتے۔ لیکن امام احمد کی ایک روایت ہے:-

| | |
|---|---|
| ان لسائر الورثۃ ان یرتجعوا ما وھبہ | باقی وارثوں کو اختیار ہے وہ اپنے |
| (مغنی لابن قدامہ ج ۵ ص ۶۱۵) | والد کے اس ہبہ کو واپس لے سکتے ہیں |

حضرت عروہ بن زبیرؓ اور امام اسحٰقؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے:۔

| | |
|---|---|
| یرد فی حیاۃ الرجل و بعد موتہ۔ | ہبہ آدمی کی زندگی میں واپس ہوسکتا ہے اور اس کی موت کے بعد بھی۔ |

امام اسحٰقؒ فرماتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| اذا مات الرجل فھو میراث بینھم لا یسع ان ینتفع احد بما اعطی دون اخوتہ و اخواتہ لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سماہ ذلک جوراً والجور حرام لا یحل للفاعل فعلہ و لا للمعطی متناولہ والموت لا یغیرہ عن کونہ ھو جوراً حراماً فیجب ردہ۔ | عدم مساوات کے ساتھ ہبہ کرنے والا اگر مر جائے تو وہ ہبہ وارثوں میں تقسیم ہوگا۔ جسے والد نے ایسا ہبہ کیا ہے اسے لائق نہیں ہے کہ جو چیز اسے دوسرے بہن بھائیوں سے زیادہ ملی ہے اس سے نفع اٹھائے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہبہ کو ظلم کہا ہے اور ظلم کرنا حرام ہے ظلم کا ہبہ نہ تو کرنے والے کو درست ہے اور نہ ہی لینے والے کو قبول کرنا چاہیے موت سے ظلم کا فعل تبدیل نہیں ہوسکتا ایسے ہبہ کو موت کے بعد رد کرنا (لوٹانا) واجب ہے۔ |
| مغنی لابن قدامہ ج۵ ص۶۱۵ | |

امام اسحٰقؒ نے اس ہبہ کو باطل قرار دے کر میراث میں داخل کر دیا ہے۔ اور اس پر دو قوی دلیلیں پیش کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہبہ کو ظلم قرار دیا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ ظلم کا حکم موت سے تبدیل نہیں

ہوجاتا۔ مثلاً ایک آدمی نے کسی کی کوئی چیز غصب کرکے دوسرے کو دیدی ہے تو موت کے بعد اس کا یہ ظلم معاف نہیں ہوجائے گا اور جس کے پاس وہ چیز موجود ہے اس کے لیے حلال نہیں ہوجائے گی۔ اس لیے اگر کسی کو اس کے والد نے ایسا ہبہ کرکے کچھ جائداد دے دی ہو تو اسے واجب ہے کہ یہ جائداد باقی بہن بھائیوں میں میراث کے مطابق تقسیم کردے۔ اگر یہ دینے سے انکار کرے تو بقیہ وارث اس سے جبراً وصول کرسکتے ہیں۔

احناف کے مشہور امام طحاوی درالمختار کی اس عبارت کے تحت لکھتے ہیں ولو وھب فی صحتہ کل المال للولد جاز واثم۔ طحطاوی میں ہے :۔

| | |
|---|---|
| کل المال للولد ای و | اگر باقی وارثوں کو محروم کرکے تمام جائداد صرف |
| حرمان بقیۃ الورثۃ قولہ | ایک لڑکے کو دے دے۔ تو احناف کے نزدیک |
| جاز ای صح لا ینقض فی | گناہ کے ساتھ یہ ہبہ درست ہوجائے گا۔ لیکن |
| بعض المذاھب یرد علیہ | بعض مذاہب میں ہے کہ ایسے ہبہ کے ارادہ کو |
| قصدہ ویجعل متروکہ | رد کیا جائے گا اور اس جائداد میں سے تمام |
| میراثا لکل الورثۃ۔ | وارثوں کو میراث ملے گی۔ |

امام زروق نے شرح رسالہ قیروانی میں لکھا ہے کہ امام مالک کے مسلک میں ہے کہ اگر کوئی اپنی تمام جائداد صرف ایک لڑکے کو دیدے اور دوسری اولاد کو کچھ نہ دے تو ایسے ہبہ کا یہ حکم ہے :۔

| | |
|---|---|
| یرد فی حیاتہ ومماتہ قال | ایسا ہبہ آدمی کی زندگی اور موت |
| مالك وقد قضی بردہ فی | کے بعد بھی رد ہوسکتا ہے۔ یہی امام مالک کا |

المدونۃ ۔ قول ہے ۔ مدونہ جو مالکی مذہب کی مشہور

شرح رسالہ امام قیروانی کتاب ہے ۔ اس میں ہے کہ ایسا ہبہ

ص ۲۰۰ ج ۲ رد کیا جائے گا ۔

اگر کوئی اپنی تمام جائداد خیرات کردے اس کا یہ حکم ہے :۔

من تصدق بکل مالہ ولم یبق ما یکفیہ ردت صدقتہ — اگر کوئی آدمی اپنی تمام جائداد خیرات کردے اور اپنے لیے اتنا بھی نہ رکھے کہ اس کا گزارہ ہو سکے تو ایسی خیرات لینے والے سے واپس لی جائے گی ۔

ایضاً ۔ ص ۲۰۱

ان روایات سے ثابت ہوا کہ بعض ائمہ کے نزدیک ایسا عطیہ یا ہبہ باطل ہے جس میں اولاد کے درمیان عدل نہ کیا جائے ۔ مرنے کے بعد یہ ہبہ تمام وارثوں میں میراث کے مطابق تقسیم کیا جائے گا ۔

اس کی اصلاح کی صورت یہ ہے کہ پہلے تو ایسا ہبہ بالکل نہ کرے اگر غلطی سے کر چکا ہے تو باطل ہونے کی وجہ سے اس سے رجوع کر کے واپس لے سکتا ہے اگر والد ایسا نہ کرے تو ایسا ہبہ لینے والے کو مناسب ہے کہ لینے سے انکار کر دے کہ شرعاً اسے لینا ناجائز ہے ۔ اگر غلطی سے لے لیا ہے تو والد کو واپس کر دے یا والد کے مرنے کے بعد تمام باقی وارثوں میں بانٹ دے ۔ اگر وہ دینے سے انکار کرے تو بقیہ وارث ان ائمہ کے نزدیک اپنا حق جس طرح چاہیں وصول کر سکتے ہیں ۔ امام ابو یوسفؒ جو احناف میں قضا اور معاملات کے علم میں مشہور ہیں انہوں نے بھی یہ شرط رکھی ہے کہ اگر تقسیم میں دوسری اولاد کو ضرر دینے کا منشاء ہو تو شرعاً اس پر

واجب ہے کہ تمام اولاد میں برابر تقسیم کرے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ ایسا ہبہ ضرر سے خالی نہیں ہوتا۔

لہذا جب اس نے واجب پر عمل نہ کیا تو ایسا ہبہ شرعی خلل میں داخل ہو گیا، جیسے دوسرے ائمہ نے صاف ذکر دیا ہے۔ ائمہ احناف کے نزدیک اگرچہ یہ تصرف اس کی ملک میں نافذ ہے مگر ایسا کرنے سے سخت گنہ گار ہوگا۔ حدیث میں ہے:۔

من قطع میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ (ابن ماجہ)

جو کسی وارث کی میراث سلب کرے گا تو اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کا حصہ جنت سے سلب کرلے گا۔

# زندگی میں جائداد تقسیم کرنا

زندگی میں جائداد تقسیم کرنے سے اکثر مسلمانوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد ہمارے بعض وارثوں کو کچھ نہ ملے۔ ایسی تقسیم تو باطل ہے جس کا ذکر ہو چکا ہے اگر یہ مقصد بھی نہ ہو تو پھر بھی زندگی میں تقسیم نہ کرے کیونکہ اس میں بعض خطرات کا احتمال ہے ایک تو یہ ہے کہ جب آدمی اپنی جائداد زندگی میں وارثوں کو دے دیتا ہے تو خود فارغ ہو جاتا ہے۔ حالات ہمیشہ یکساں نہیں رہتے۔ جب آدمی کے پاس مال نہ ہو تو اقارب بھی آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔ زندگی میں امراض یا دوسرے حوادث کا بھی احتمال ہوتا ہے۔ ایسی مصیبت میں پھر دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑتا ہے۔ اب اولاد کی مرضی ہے وہ جس طرح چاہیں اپنے بوڑھے باپ کو نچائیں۔ دوسرا نقصان یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ اولاد سے پہلے باپ ہی مرے بعض دفعہ بوڑھا

باپ نوجوان بیٹے کے جنازے کو کندھا دیتا ہے۔ اگر بیٹا باپ کی زندگی میں مرجائے تو میراث کی تقسیم بدل جاتی ہے۔ اب لامحالہ پہلی صورت تبدیل ہوجائے گی۔ اسی طرح اگر کسی نے زندگی میں بیوی کو حصہ دے دیا ہے اور وہ بیوی اس کی زندگی میں فوت ہوجائے تو اب اس کا کچھ حصہ خاوند لے گا اور بقیہ جائداد اس کے میکے میں چلی جائے گی۔ اگر وہ تقسیم نہ کرتا تو اس کے میکے والے کچھ نہ لیتے۔ غرضیکہ کسی بھی وارث کے فوت ہونے پر وارثوں کے صحیح حصوں میں خلل آنے کا احتمال ہے اور ایک نقصان یہ ہے کہ اس کی موت کے بعد یا زندگی میں کوئی اور بچہ پیدا ہوجائے تو اب جن کے قبضہ میں جائداد آچکی ہے وہ اس نومولود کو کس طرح حصہ تقسیم کر کے دیتے ہیں۔ اگر کوئی ایسی صورت پیدا ہوجائے تو شرع میں ایسے بچے کو کس طرح حصہ ملنا چاہیے۔

محدث ابن قدامہؒ لکھتے ہیں :۔

بہتر یہی ہے کہ اپنی جائداد زندگی میں تقسیم نہ کرے بلکہ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق رہنے دے۔ اگر تقسیم کے بعد اس کی زندگی میں کوئی بچہ پیدا ہوجائے تو وہ تقسیم ٹوٹ جائے گی۔ اس نومولود کا شرعی حصہ نکال کر باقی جائداد ان کو لوٹا دے۔ اگر کوئی بچہ اس کی موت کے بعد پیدا ہو تو ان وارثوں کو مناسب ہے کہ اس نومولود کو شامل کر کے دوبارہ صحیح تقسیم کریں۔

(مغنی لابن قدامہ ج۵ ص۶۱۶)

خطرے کے تحت زندگی میں میراث تقسیم کر دینے کی ایک جائز صورت یہ ہے کہ اگر

اس کو یہ خطرہ ہو کہ میرے لڑکے میرے مرنے کے بعد لڑکیوں کو میراث نہیں دیں گے بلکہ اگر ان کے نام انتقال بھی ہو گیا تو ان سے بیان دلوا کر واپس لے لیں گے (جیسا کہ آج کل ایک دستور بن چکا ہے) اس صورت میں والد کو اختیار ہے کہ ایسا طریقہ اختیار کرے جس سے لڑکیوں کو پورا حصہ مل جائے اور ظالم بھائیوں کا اختیار سلب ہو جائے اور وہ یہ ہے کہ اپنے بڑھاپے یا حالتِ مرض میں جو موجودہ وارث ہوں اُن میں اپنی جائداد میراث کے مطابق تقسیم کر دے۔ لڑکیوں کے حصے علیحدہ کر کے ان کا قبضہ بھی کرا دے اور انتقال بھی۔ اور ساتھ ہی وصیت بھی تحریر کر دے جسے قانونی درجہ حاصل ہو کہ اگر میرا کوئی وارث میری زندگی میں مر گیا یا دوسرا پیدا ہو گیا تو میری یہ تقسیم کالعدم ہو جائے گی اور اگر کوئی ایسی صورت پیدا نہ ہوئی تو ہر ایک وارث کا حصہ اس تقسیم کے مطابق برقرار رہے گا۔ یہ ایسا طریقہ ہے کہ آدمی لڑکیوں کو ان کا حق دے کر ایک بڑا درجہ حاصل کر لے گا۔ اور اگر وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ میرے لڑکے بہنوں سے ان کے حصے ضرور واپس لے لیں گے اس کے باوجود یہ طریقہ اختیار نہ کیا تو آخرت میں اس سے مواخذہ ضرور ہو گا۔

امام جصاصؒ لکھتے ہیں :۔

اگر کوئی مرنے والا اپنی اولاد کو اپنے ذمے قرضے ادا کرنے کی وصیت نہ کرے اور اس کی اولاد اس کے مرنے کے بعد وہ قرضے اُتار دے تو کیا یہ مرنے والا قرض کے عذاب سے چھوٹ جائے گا۔ امام جصاص فرماتے ہیں کہ قرض میں دو حق جمع ہو جاتے ہیں ایک تو لینے والے کا حق۔ دوسرا اللہ کا حق۔ وہ یہ کہ

قرض کی وصیت شرعاً ضروری ہے۔ اگر اولاد نے قرض ادا کر دیا تو لینے والے کا حق تو ختم ہو گیا لیکن وصیت نہ کرنے پر شرعی حق باقی رہ گیا۔ اس حکم عدولی کا آخرت میں ضرور مواخذہ ہوگا۔ (احکام القرآن ص۱۹۹ ج ۱)

اس مسئلہ کو اوپر کی صورت میں تطبیق دیدیں۔ اگر باپ نے لڑکیوں کی میراث میں اپنے اختیار کو استعمال نہ کیا اور چشم پوشی کر کے مر گیا تو لازماً اس سے قبر میں مواخذہ ہوگا۔

# جائداد سے کسی وارث کو محروم کرنا

جائداد سے کسی وارث کو محروم کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ اپنی زندگی اور صحت میں اپنی جائداد اس وارث کے علاوہ دوسرے وارثوں میں تقسیم کر کے ان کو مالک بنا دے اور اس کے لیے کچھ نہ چھوڑے۔ اگرچہ یہ تصرف اس کی ملک میں نافذ ہے لیکن ایسا کرنے سے سخت گنہ گار ہوگا۔ حدیث میں آیا ہے کہ جس نے دنیا میں کسی وارث کی میراث سلب کر لی تو آخرت میں وہ جنت کی میراث سے محروم ہو جائے گا۔ (ابن ماجہ)

اگر کسی کا بیٹا یا کوئی دوسرا وارث اسے ایذا اور بڑی تکلیف پہنچاتا ہے، اور وہ اپنی ایذا رسانی یا ظلم سے باز نہیں آتا۔ یا ایسے فسق و فجور میں گرفتار ہے جس سے اس کا دین اور شرافت نسبی بالکل برباد ہو رہی ہے اصلاح کے کسی طریقے سے بھی وہ اپنے کرتوت نہیں چھوڑتا۔ ان وجوہات کے تحت اگر اس نے اپنی جائداد سے محروم کر دیا تو ہو سکتا ہے کہ اس عذر کے تحت اللہ تعالیٰ

معاف فرمادیں لیکن پھر بھی نہایت احتیاط سے کام لینا چاہیے بعض دفعہ آدمی اپنی طبعی ناراضگی کو یا لڑکے کی معمولی نافرمانی کو ایک بڑا رنگ دیدیتا ہے۔

محروم کرنے کی دوسری صورت یہ ہے کہ اپنی زندگی میں اپنی جائداد کا کسی کو مالک تو نہیں بنایا مگر وصیت کے طور پر زبانی یا اخبار کے ذریعے یا تحریر کے ذریعے طے کر دیا کہ فلاں کو میری میراث سے کچھ نہ ملے۔ تو اس کا زبانی اقرار یا اخبار میں اعلان کرنا یا تحریر نامہ لکھ دینا اس کا شریعت میں کچھ بھی اثر نہیں ہے ان پر قطعاً عمل نافذ نہیں ہو سکتا۔

مرنے کے بعد اس کو میراث میں پورا حصہ ملے گا۔ کیونکہ وراثت ایک اضطراری ملک اور شرعی حق ہے۔ اس میں وارث اور مورث کے قصد کا دخل نہیں ہے۔ بلا قصد اس کا ثبوت ہوتا ہے۔ میراث کا حق جب اللہ نے مقرر کر دیا ہے تو کس کی طاقت ہے کہ اسے باطل کر دے۔

## بہنوں کا حصّہ سلب کرنا

اکثر میراث میں جن وارثوں کا حق مارا جاتا ہے وہ صرف مظلوم لڑکیاں ہیں۔ ان کا حق سلب کرنے کے مختلف طریقے ہیں۔ ایک تو یہ کہ والد اپنی زندگی میں جائداد کے غلط تصرف سے ان کو محروم کر جاتا ہے جس کا ذکر ابھی گزر چکا ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ باپ کے مرنے کے بعد جب لڑکیوں کے نام جائداد کا انتقال ہو جاتا ہے تو بھائی ان سے بیان دلوا کر ان کے نام سے انتقال ختم کرا دیتے ہیں۔ جن صورتوں سے ان کو بیان دلانے پر مجبور کیا جاتا ہے ان میں سے مشہور

صورتیں یہ ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ ہمارے ملک میں صدیوں سے رواج چلا آتا ہے کہ مسلمان اپنی لڑکیوں کو میراث نہیں دیا کرتے تھے اور یہ رواج اتنا مسلط ہوگیا کہ خود لڑکیاں اس بات کو معیوب سمجھنے لگیں کہ بہن اپنے بھائی سے اپنی میراث کا حق مانگے۔ گویا نہ مانگنے کو شرم وحیا کا درجہ دیا گیا اس رسمی حیا کے تحت اپنے بھائی کو اپنا حصہ بخش دینا بہنوں کا شعار بن چکا ہے اگرچہ قانوناً ان کے نام انتقال بھی ہو جاتا ہے لیکن بہن اسی کو شرافت سمجھتی ہے کہ میں یہ حصہ واپس کہہ دوں۔

آپ نے نہیں دیکھا کہ کنواری لڑکی برسوں بیٹھی رہے لیکن باپ کے سامنے اپنی شادی کے بارے میں زبان تک نہیں ہلا سکتی۔ وہ اپنے آتشی جذبات کو سرد کرنے کے لیے خفیہ طور پر کوئی معیوب فعل کرلے گی لیکن بے چاری شرعی نکاح کے لیے اپنا خیال ظاہر نہیں کرسکتی۔ اور اگر وہ بے چاری کسی کنایہ کو بھی استعمال کرے تو باپ اسے بے حیائی پر محمول کرتا ہے۔ جس طرح جوان لڑکی کو شادی کی اہم ضرورت ہوتی ہے لیکن رسمی حیا مانع ہونے کی وجہ سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اسی طرح بہن کو جائداد کی بھی سخت ضرورت ہوتی ہے لیکن اب وہ اپنی ضرورت کو دیکھے یا رسمی شرافت کی لاج رکھے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کبھی بہن سے بیان دلوانے کے لالچ میں اس کی تحائف سے دل جوئی کی جاتی ہے۔ کبھی اسے کپڑوں کا جوڑا بنوا دیا۔ تہوار اور خوشی کے موقعہ پر کوئی سوغات بھیج دی۔ گھر بلا کر بڑی چاپلوسی سے دعوتیں کھلادیں۔ بہن بھی اندر سے اس مصنوعی الفت کو اچھی طرح سمجھتی ہے لیکن

وہ کہہ دیتی ہے چلو بھائی ہے کچھ نہ کچھ تو دے رہا ہے اگر اسے جائداد کا لالچ نہ ہوتا تو منہ سے بہن جی بھی نہ پکارتا۔ بعض دفعہ اگر بہن اپنی مجبوری کے تحت نہ دینے کا اظہار بھی کر دے تو پھر بھائی کا ہر قسم کا پیار قبر میں دفن ہو جاتا ہے۔ مونچھوں پر تاؤ دے کر غصہ سے سیخ پا ہو جاتا ہے اور غصہ کو تھام تھام کر نکالتا ہے کبھی نرم پڑ جاتا ہے کہ شاید دے دے۔ کبھی تیور بدلتے ہوئے اپنے آپ سے کہتا ہے کیسے نہیں دے گی۔ کبھی ہوس کے شعلے دھوئیں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ کبھی اپنے غصے کی یوں ترجمانی کرتا ہے اگر تو نے اپنا حصہ نہ دیا تو پھر نہ تو میری بہن اور نہ میں تیرا بھائی۔ ہمارے گھر میں اب قدم رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیا بہنوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ بے چارہ بھائی منت کرے اور بہن پرواتک نہ کرے۔ حلالی بہنوں کا یہ طریقہ نہیں ہوتا۔ دیکھو فلاں مولوی صاحب کی لڑکی کتنی شریف ہے کہ باپ کے مرنے کے بعد اپنی ساری زمین اپنے بھائی حافظ مغضوب الرحمٰن کو بخش دی۔ بہن جب بھائی کا یہ سلوک دیکھتی ہے تو جبر و اکراہ سے اپنا حصہ ظالم بھائی کی بھینٹ چڑھا دیتی ہے۔

بعض لوگ یوں عذر کرتے ہیں میاں! بہنوں کو کیوں حصہ دیں۔ ہم نے اس کی شادی پر اتنا خرچ کر کے نام روشن کیا، ساری عمر تحائف دے دے کر بال سفید ہو گئے۔ اگر ان کا حساب کیا جائے تو الٹا انھیں دینا پڑے گا۔ بھائی صاحب! یہ بتلاؤ جب تمھاری شادی ہوئی تھی تو کیا اس پر خرچ نہ ہوا تھا؟ وہ بھی آخر باپ کی جائداد میں سے تھا۔ باقی رہے عمر بھر کے تحائف تو آپ ایسا کریں کہ کسی دوست کے گھر اس سے بڑھ چڑھ کر تحفے تحائف اور جوڑے

وغیرہ بھیجتے رہیں۔ دس سال کے بعد اس دوست کو کہیں کہ اتنے برس جو میں نے تجھے تحفے وغیرہ دیے ہیں ان کے بدلے میں تو یہ مکان مجھے بخش دے آپ اپنے ضمیر سے پوچھیں کہ وہ دوست آپ کو کیا جواب دے گا۔

بعض دفعہ بھائی تھوڑا بہت مالی معاوضہ دے دیتے ہیں لیکن وہ معاوضہ اس جائداد کے بدلے میں بالکل قلیل ہوتا ہے۔ آپ ہی بتلائیں کہ دس ہزار کا مکان آپ پانسو روپے میں دیں گے؟ اگر ایسا ہو کسی نے کر بھی دیا تو لوگ کہیں گے کہ میاں اس کا دماغ خراب ہے پاگل خانے چلا جائے تو اچھا ہے۔

اگر بہن بھائی زیادہ ہوں تو پھر ایک بھائی دوسرے بھائی سے زیادہ لینے کی خاطر بہنوں سے سودے بازی شروع کر دیتے ہیں۔ غرضیکہ بہنوں سے جائداد ہتیا لینے کی خاطر کافی حربے برتے جاتے ہیں۔ تفہیم کے لیے اتنے ہی کافی ہیں۔

اب شریعت کی روشنی میں ایسے ہبہ کی وضاحت کی جاتی ہے کہ جب بہن اپنا حصہ کسی صورت میں بھی بھائی کو دیدے تو بھائی اس کا صحیح مالک بن سکتا ہے یا نہیں؟ دینے کے بعد بہن اپنے حق سے بری ہو جاتی ہے یا اس کا حق شرعاً باقی رہ جاتا ہے۔ ایسے ہبہ سے چونکہ میراث کے عمل کو صریحاً نقصان پہنچ رہا ہے اس لیے اسے اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کریں۔ اگر آپ نے اچھی طرح سمجھ لیا اور اللہ نے عمل کی بھی توفیق دے دی تو امید ہے کہ اس عمل کی برکت سے نجات بھی ہو جائے۔

# میراث کو ساقط کرنا

شریعت میں وارثوں کو میراث میں جو حق ملتا ہے اس حق کو قرآن میں نصیبًا مفروضًا فرمایا گیا ہے۔ یعنی ایسا حصہ جس کا لینا اللہ نے فرض کر دیا ہے۔ یہ حق اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی سے وارث پر فرض کیا ہے کسی انسان کے اختیار کو اس میں دخل نہیں ہے اسے ایک سادہ مثال سے سمجھیے جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو کیا پیدائش سے قبل اس سے پوچھا جاتا ہے کہ فلاں کو تیرا باپ بنایا جائے یا نہیں؟ بلکہ مالکِ حقیقی اپنی مرضی سے جسے چاہیں اس کا باپ بنا دیتے ہیں۔ ایک جاٹ کا لڑکا اگر پڑھ کر ڈپٹی بن جائے اور وہ اپنی ہتک کی وجہ سے اس باپ کو برداشت نہ کر سکے ہائی کورٹ میں دعویٰ کر دے کہ میں ایسے باپ کا لڑکا نہیں بننا چاہتا۔ یہ جاٹ جو مجھ پر باپ بننے کا حق رکھتا ہے میں اس حق کو واپس کرنا چاہتا ہوں۔ آپ دل کے دریچے میں جھانک کر بتلائیے دنیا کی کوئی طاقت ہے جو اس جاٹ سے باپ بننے کا حق سلب کر سکے۔ چونکہ یہ حق اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی سے دے رکھا ہے۔ اس لیے بیٹے یا باپ کے انکار سے یہ حق باطل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح میراث کو سمجھ لیجیے کہ باپ کے مرنے کے بعد لڑکی خود بخود وارث بن جائے گی۔ اگر لڑکی کسی وجہ سے چاہے بھی کہ میں اپنا حصہ نہ لوں اور اس کی وارث نہ بنوں تو اس کا یہ ارادہ شریعت میں قطعًا باطل ہے اسے مجبورًا اپنا حصہ لینا پڑے گا۔ اس کی وضاحت ان مثالوں سے سمجھیے:۔

باپ بیٹا آپس میں لڑ پڑے۔ بیٹا غصہ میں قسم کھا کر باپ سے کہتا ہے کہ میں تمھاری جائداد نہیں لینا چاہتا اگر میں لوں تو میری بیوی پر تین طلاق ہیں۔ اس کے بعد اگر باپ مرجائے تو اس کے مرتے ہی بیٹے کی بیوی کو طلاق ہوجائے گی خواہ بیٹا جائداد لے یا نہ لے۔

(مفید الوارثین ص ۹)

میراث کی کتاب حاشیہ شریفی میں لکھا ہے :۔

اگر کوئی وارث اپنے حق سے انکار کردے کہ میں اپنا یہ حق نہیں لیتا، تو اسلامی عدالت کو اختیار ہے کہ وہ مال اس کے گھر پہنچا دے اور اگر وہ حاکم کا فیصلہ نہ مانے تو اس کو سزا دی جائے۔

مستند کتاب الاشباہ والنظائر میں لکھا ہے :۔

لو قال الوارث تركت حقي لم يبطل حقه اذ الملك لا يبطل بالترك۔ قال الحموي في شرحه۔ لو مات عن ابنين فقال احدهما تركت نصيبي من الميراث لم يبطل لانه لازم لا يترك

اگر کوئی وارث کہے کہ میں اپنا حصہ نہیں لیتا تو اس کا حصہ باطل نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ ملک ہے چھوڑ دینے سے یہ حق باطل نہیں ہو سکتا۔ امام حموی فرماتے ہیں کہ کوئی آدمی دو بیٹے چھوڑ کر مرے ایک بیٹا کہے کہ میں اپنا حصہ نہیں لیتا۔ تو اس کے انکار سے یہ حق باطل نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ لازمی حق ہے چھوڑ دینے سے

| | |
|---|---|
| بالترك بل ان كان فلا بد | نہیں چھوٹ سکتا بلکہ اس حصہ پہ |
| من التمليك وان كان | ضرور قبضہ کرنا پڑے گا۔ اگر |
| دينا فلا بد من الابراء | دَین کا حق ہے تو وہ صرف |
| (الاشباہ والنظائر ص۴۹۵) | ابراء سے ساقط ہوجاتا ہے۔ |

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں :۔

جو بہن اپنے ورثے کو بھائی کے لیے معاف کر دیتی ہے تو صرف زبان سے کہہ دینے سے شرعاً معاف نہیں ہوتا۔ کیونکہ ابراء اعیان میں نہیں ہوتا بلکہ اس میں ہبہ کی ضرورت ہے اور وہ بدستور اپنے حق کی مالک رہتی ہے۔ اگر کسی وقت بہن کی اولاد اپنے ماموں پر اس جائداد کا دعویٰ کردے تو وہ شرعاً اپنی ماں کا حصہ لے سکتے ہیں کیونکہ ہبہ کی شرائط اس میں موجود نہیں ہیں۔ چنانچہ ہنوز وہ مشاع (مشترک قابل تقسیم) ہے اگر بشرائطہا ہبہ بھی کر دیا جائے۔ مگر یہ یقینی بات ہے کہ بہن کا ہبہ کر دینا دل سے نہیں ہوتا بلکہ ایسا ہبہ صرف رواج اور ملامت کے خوف سے ہوتا ہے۔ اگر بہن اپنا حصہ وصول کرکے پورا قبضہ کرلے اور کچھ عرصہ اس کا فائدہ اور نفع بھی حاصل کرتی رہے اس کے بعد اگر دیدے تو اس کو حقیقی دینا کہتے ہیں۔

(دعوات عبدیت ص۱۶۹ ج۱)

حضرت تھانوی نے اس میں جتنے اشکال وارد ہوتے تھے اختصار کے ساتھ ان کو دور کر دیا ہے۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ بہن کا صرف زبان سے معاف کر دینا یا

لینے سے انکار کردینا یا ایسا ہبہ کرنا جس میں اس کا اشتراک ہو ان تمام صورتوں میں بہن کی میراث ساقط نہیں ہوسکتی بلکہ اس کے حق میں برقرار رہے گی۔ بہن کی اولاد عدالت کے ذریعے یا دوسرے ذرائع سے اپنے ماموں سے اپنی ماں کا حصہ لے سکتے ہیں۔ ہمارے ملک میں چونکہ میراث کا آئین منظور ہو چکا ہے اگر وکلاء ایسے مقدموں میں شرعی دلائل پیش کریں تو قانوناً بھی ایسی زمین لی جاسکتی ہے۔ جس جائداد میں انتقال ہوتا ہے اس میں تو صرف بہن سے بیان دلوا کر اس کا حق ساقط کر لیتے ہیں اور جو جائداد قابلِ انتقال نہیں ہوتی اس میں صرف اپنی بہن سے زبانی معاف کرالیا جاتا ہے۔ اگر زبان سے معاف کردیا ہے تو ایسی جائداد بھی شرعاً واپس ہوسکتی ہے۔

## بہن سے جائداد لینے کا دوسرا طریقہ

اگر والد کے نام زمین ہے تو میراث کے قانون کے مطابق وہ زمین اس کے وارثوں کے نام سرکاری انتقال میں اندراج کر لیتے ہیں خواہ اس میں لڑکیاں اور بیویاں بھی موجود ہوں اگر لڑکیاں کنواری ہیں تو وہ اپنے بھائی کے گھر رہتی ہیں اور اگر شادی شدہ ہیں تو وہ اپنے گھروں میں آباد ہوتی ہیں۔ باپ کی جتنی زمین اور جائداد ہوتی ہے وہ سب بھائیوں کے قبضہ میں ہوتی ہے ان کے نام صرف سرکاری کاغذات میں انتقال درج ہوتا ہے باقی جائداد کے کلی اختیار ان کے قبضے سے باہر ہوتے ہیں۔ اور اوپر جن حربوں کا ذکر ہو چکا ہے ان میں سے کوئی کارگر حربہ استعمال کر کے اپنی بہنوں کو انتقال اُترِوانے پر مجبور کر دیتے ہیں بالآخر وہ انتقال کے سرکاری افسر کے سامنے بیان دے دیتی ہیں

کہ حضور والا! ہم اپنا حصہ اپنے بھائیوں کو دینا چاہتی ہیں۔ سرکاری افسر شہادت اور بیان کے شرائط پوری کرنے کے بعد وہ زمین غاصب بھائیوں کے نام انتقال کر دیتا ہے۔ اس بیان کے بعد قانونی طور پر بہنیں اپنی جائداد سے بالکل محروم ہو جاتی ہیں۔ یہ ظلم صرف عوام تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اس میں بعض ایسے لوگ بھی گرفتار ہیں جن کی دینی و علمی شہرت ان کے نام کے اظہار کی اجازت نہیں دیتی۔ ہاں اتنی گستاخی کیے دیتا ہوں کہ اس عملِ غصب کے ساتھ ان کی بزرگی اور علمی کمالات آخرت میں ٹکے کے برابر بھی نہیں رہیں گے۔

جنھیں غرور بہت تھا نماز روزے پر
گئے جو قبر میں سارے وضو شکست ہوئے

اب اس انتقال کا شرعی حکم سنیے کہ بہن کے اس بیان سے بھائی کے نام شرعاً زمین منتقل ہو بھی جاتی ہے یا بہن کا ہی حق برقرار رہتا ہے؟۔

جب تک آدمی زندہ رہتا ہے اپنی جائداد کا مالک خود ہوتا ہے اور جب مر جاتا ہے اگر اس کی لڑکیاں اور لڑکے ہوں تو وہ جائداد ان میں مشترک ہو جاتی ہے۔ تو چونکہ بہنیں اس جائداد میں شریک ہوتی ہیں اس لیے بھائی ان کی شرکت ختم کرنے کے لیے سرکاری افسر کے سامنے اپنا حصہ دینے کا بیان دلوا دیتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں جب بہن بیان دیتی ہے تو زمین مشترک ہوتی ہے اور تقسیم نہ ہونے کی وجہ سے بہن کا اس پر قبضہ نہیں ہوتا۔ مشترک چیز کے ہبہ میں یہ بنیادی شرط ہے کہ پہلے ان حصوں کو تقسیم کر کے قبضہ کیا جائے۔ قبضہ

کرنے کے بعد اس حصے کی منفعت پر بھی قدرت رکھتا ہو۔ اس کے بعد اگر وہ اپنے حصے کو ہبہ کر دے تو جائز ہو جائے گا۔ اگر مشترک زمین کو بغیر تقسیم کیے کسی اور کو اپنا حصہ لکھ دے یا دینے کا اقرار کرے تو ایسا ہبہ باطل ہے۔ گزشتہ صفحات میں مشترک قابل تقسیم کے ہبہ کی شرائط لکھی جا چکی ہیں، ان کے لکھنے کا مقصد یہی تھا کہ اس ہبہ کے بطلان کی پوری وضاحت ہو جائے اب قدرے دوسرے دلائل بھی تحریر کیے جاتے ہیں تاکہ اس ہبہ کے چہرے پہ کوئی حجاب نہ رہے۔

# عورت سے مال لینے کی شرائط

عورت فطرۃً چونکہ مرد کے تابع ہوتی ہے اس لیے وہ اپنی معاش کے معاملے میں لینے کے لیے ہر چیز کی محتاج ہوتی ہے۔ دوسرے قدرت نے اس کی تخلیق بھی اس طریقے پر کی ہے کہ وہ معاشی کسب سے عموماً عاجز ہوتی ہے۔ شادی سے قبل اس کے اخراجات کا وزن باپ برداشت کرتا ہے اور شادی کے بعد خاوند کی تحویل میں آجاتی ہے۔ اور جب سارے سہارے ٹوٹ جاتے ہیں تو اپنا پیٹ پالنے کے لیے جائز و ناجائز ذرائع تلاش کرتی ہے۔ اس مظلومیت کے تحت اسلام میں عورت کے جتنے مالی حقوق مقرر کیے گئے ہیں ان کے بارے میں بڑی احتیاط سے کام لیا گیا ہے تاکہ ان کی بے بسی سے کوئی جابر ان کی حق تلفی نہ کرے۔ چند مثالیں بیان کی جاتی ہیں تاکہ آپ معلوم کر سکیں کہ عورتوں کے مالی حقوق کا مسئلہ کتنا نازک ہے۔

حق مہر کے بارے میں اسلام نے چند اصول بیان کیے ہیں :۔
جب تم کسی عورت سے شادی کرو حسب وسعت جس قدر حق مہر مقرر کر چکے ہو اسے اچھی طرح ادا کر دو۔ اگر مقرر کرنے کے بعد نہ دے اور مر جائے تو مرنے کے بعد اس کی میراث سے ادا کیا جائے گا ورنہ آخرت میں وہ اللہ تعالیٰ سے زانیوں کی حالت میں ملاقات کرے گا۔ اگر عورت اپنے حق مہر میں سے کچھ حصہ خاوند کو دینا چاہے تو قرآن نے اسے ایک نازک شرط کے ساتھ مشروط کر دیا ہے :۔

| | |
|---|---|
| فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا | اگر عورتیں اپنی پوری دل جوئی سے مہر سے کچھ تمہیں دیدیں تو تم اسے پوری رغبت سے کھا سکتے ہو۔ |

وہ نازک شرط یہ ہے کہ حق مہر کے دینے میں ان کا دل بالکل صاف ہو اور بے دلی کا شائبہ بھی نہ ہو۔ اب بتلائیے کہ عورت کی اندرونی خوشنودی کو کس آلے سے ناپا جائے، جب کہ زبان اس کی پوری ترجمانی نہ کر سکتی ہو۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرما دی ہے کہ عورت مرد کو کس نیت سے مال دیتی ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں :۔

| | |
|---|---|
| ان نساء یعطین ازواجھن رغبۃ ورھبۃ وایما امرأۃ | عورتیں جو کچھ اپنے خاوندوں کو دیتی ہیں اس کی بنیاد طمع پر ہوتی ہے یا کسی خوف کی وجہ سے |

اعطت زوجها شیئا ثم ارادت ان تعتصره منه فهی احق بها۔ (رواه الاثرم مغنی لابن قدامہ ص۶۲۲ ج۵)

اگر کوئی عورت اپنے خاوند کو کچھ دیکر واپس لینا چاہے تو وہ واپس لینے میں زیادہ حق رکھتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ عورت اپنے مال میں سے خاوند کو جو تھوڑا بہت دیتی ہے یہ عطیہ دو باتوں سے خالی نہیں ہوتا یا تو کسی لالچ کی وجہ سے یا اسے خاوند کی طرف سے کوئی خوف لاحق ہوتا ہے اسے دور کرنے کیلئے اپنے مال سے مدافعت کرنا چاہتی ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں :۔

اذا وهبت له مهرها فان سالها ذلك رده اليها رضيت او کرهت لانها لا تهب الا مخافة غضبه او اضرار بها بان یتزوج علیها (مغنی لابن قدامہ ص۶۲۲ ج۵)

اگر خاوند کے مانگنے پر عورت اپنا حق مہر اسے دے دے تو یہ حق مہر اسے واپس کرنا پڑے گا خواہ وہ اسے خوشی سے یا ناخوشی سے کیونکہ عورت خاوند کو صرف اس لیے دیتی ہے کہ اس کے غصہ سے بچ جاؤں، یا کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ پر سوکن کو لاکر بٹھا دے۔

امام احمدؒ نے پوری تصریح کر دی ہے کہ عورت مانگنے کے بعد جب ہی کوئی چیز دے گی کہ اس میں اس کی رضا بھی پائی جاتی ہو اس میں صرف اپنے بچاؤ کو مدنظر رکھتی ہے یعنی اس میں دوسرے کو دینا مقصود نہیں ہوتا

لہذا اسے یہ چیز واپس کر دینی چاہیے کیونکہ اس میں اس کی طبعی خوشنودی قطعاً مفقود ہوتی ہے۔ اب آپ اسے انصاف کی ترازو پر تولیں کہ حق مہر جو ایک قلیل مال ہوتا ہے عورت جب ایسے عطیہ میں شرعی حق ادا نہیں کر سکتی اگر شرعاً صحیح دینا ثابت ہو جاتا تو ایسا ہبہ واپس نہ کیا جاتا اور آپؐ یہ نہ فرماتے کہ واپس لینے کی زیادہ حق دار ہے۔ جب حق مہر دینے کا یہ حال ہے تو بتلایئے کہ بہن جب ہزاروں روپے کی زمین بھائی کو دے دیتی ہے جو آمدنی کا ایک مستقل اور محفوظ ذریعہ ہے تو آپ ایسے دینے کو جواز کا کون سا درجہ دیں گے کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ بہن اتنی زمین دینے میں واقعی دل سے راضی ہے بلکہ اس کی رضامندی صرف رواجی شرم یا بھائی کے جبر کی وجہ سے ہے ورنہ اتنا مال مفت دے کر وہ کون سی عورت ہے جو اندرونی طور پر بالکل راضی ہو۔

## عورت کے ہبہ کا حکم

اب عورت کے ہبہ کا حال سنیے اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو کچھ مال ہبہ کر دے تو یہ مال جب عورت کی ملکیت میں چلا جائے تو اس کے حق میں شرعاً وہ خیرات بن جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| اذا اعطی الرجل امراته فھی له صدقة | جب کوئی آدمی اپنی بیوی کو کچھ مال دیتا ہے تو یہ مال خاوند کی طرف سے عورت کے حق میں خیرات بن جاتا ہے۔ |
| (احکام القرآن جصاص ص ۱۱۷ ج ۲) | |

پھر خاوند اگر اس مال کو واپس لینا چاہے تو شریعت میں اسے واپس

لے لینے کا قطعاً اختیار نہیں ہے۔

امام جصاصؒ فرماتے ہیں :۔

| | |
|---|---|
| من وهب لامرأة هبة لم يجز له الرجوع فيها۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۱۱) | جو آدمی اپنی بیوی کو کچھ مال ہبہ کر دے تو پھر اسے واپس لینے کا قطعاً حق نہیں ہے۔ |

دیکھیے بیوی کے ہبہ میں اسلام نے کس قدر اس کے حق کو محفوظ رکھا ہے کہ خاوند مال دے کر ہرگز اس سے واپس نہیں لے سکتا لیکن عورت سے اگر خاوند اس کا حق مہر مانگ لے تو عورت کو واپس لینے کا اختیار ہے اس سے معلوم ہوا کہ عورت کی تخلیقی کمزوری کے باعث اسلام میں اتنی احتیاط رکھی گئی ہے کہ مرد اسے تو دیتا ہے لیکن اس کے مال سے کوئی چیز نہ لے۔ مرد چونکہ عورت پر غالبیت کی شان رکھتا ہے اس شان کا حق یہی ہے کہ ہمیشہ دینے کی صفت سے موصوف رہے نہ کہ اپنی ہوس کے تحت عورت کے آگے ہاتھ پھیلا کر بیٹھ جائے اور اپنی غیرت کو عورت کی چوکھٹ پر سجدہ ریز کر دے۔ حدیث میں ہے کہ جب شادی کرو تو عورت کے مال کو مد نظر نہ رکھو۔ اگر وہ تم سے مال میں زیادہ وسعت رکھتی ہے تو اس کے تم دست بستہ غلام بن جاؤ گے اس کا ایک یہ طعنہ کہ سب کچھ تو میرا ہے تیرے پاس ہے کیا کہ رعب جمائے چلا آتا ہے مرد کی عزت کو خاک میں ملا دیتا ہے۔ جو بھائی اپنی بہنوں سے ان کا حصہ لے لیتے ہیں پہلے وہ خود سو بیگھے زمین کا مالک تھا پھر اس نے اپنی بہن سے پانچ بیگھے لے لیے۔ یہ اس کا ایسا سنہری کارنامہ ہے جو تاریخ میں

لکھنے کے قابل ہے ایسے بھائی کو غیرت کے آئینے میں اچھی طرح دیکھنا چاہیے۔ کہ اس کا ضمیر کس درجہ مسخ ہو چکا ہے۔

**اقرار اور جبر کا ہبہ** جب بہن اپنے بھائی کے حق میں سرکاری افسر کے سامنے بیان دیتی ہے کہ میں اپنا حصہ بھائی کو دیتی ہوں اُس وقت بہن کا حصہ بہن کے پاس نہیں ہوتا بلکہ بھائی کے قبضہ میں ہی ہوتا ہے۔ ایسے بیان کو شرع میں ہبہ کا اقرار کہتے ہیں۔ ایسے اقرار سے ہبہ صحیح نہیں ہو سکتا فتاویٰ عالمگیری میں ہے :۔

اگر کسی نے ہبہ کا اقرار کیا تو اس اقرار سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس نے موہوب لہٗ (لینے والے) کے قبضہ کر لینے کا بھی اقرار کیا ہے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں ایک شخص نے کسی کو ایک درخت ہبہ کیا حالانکہ درخت اپنی جگہ پر قائم ہے تو موہوب لہٗ اس کا قابض شمار نہ ہو گا جب تک اس درخت کو کاٹ کر اس کے حوالے نہ کر دے۔ (عالمگیری ص۱۳۱ ج۷)

عموماً یہی ہوتا ہے کہ بہن اپنی جائداد برضاء و رغبت نہیں دیتی کیونکہ اس کی منفعت میں خود احتیاج رکھتی ہے بلکہ اُس پر صرف بھائی کا خوف اور جبر مسلط ہوتا ہے۔ اگر واقعی وہ کسی جبر اور دباؤ کی وجہ سے دے رہی ہے تو یہ ہبہ شرعاً جائز نہیں ہے۔ عالمگیری میں ہے :۔

ایک شخص نے اپنی عورت سے یوں کہا کہ تو عربی میں کہہ وھبت مھری منك (میں نے تجھے اپنا حق مہر ہبہ کیا) حالانکہ وہ عورت عربی نہیں جانتی، اگر عورت نے وہ الفاظ کہہ دیے تو ہبہ صحیح نہیں ہے۔

اسی طرح اگر کسی سے زبردستی ہبہ کرایا تو شریعت میں ایسا ہبہ درست نہیں ہے۔ (عالمگیری ص۱۲۷ ج ۷)

اس سے معلوم ہوا جس ہبہ میں دھوکہ ہو یا ڈرا دھمکا کر ہبہ کرایا گیا تو شرعاً ایسا ہبہ درست نہیں ہے۔ بعض دفعہ لالچی بھائی اپنی بہن کا حصہ لینے کے لیے بہن کو کسی دھوکہ میں پھنسا لیتا ہے یا سرکاری افسر کو دھوکہ دیتا ہے۔

ہمارے علاقہ کا واقعہ ہے کہ ایک بھائی نے اپنی بیوی کو بہن کی جگہ پیش کر کے یہ بیان دلوا دیا کہ میں اس کی حقیقی بہن ہوں اور اپنی خوشی سے اپنا حصہ بھائی کو دیتی ہوں۔ دیکھیے لالچ نے کتنی بے حیائی تک پہنچا دیا۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ انتقال کے ذریعے جو بہن اپنی زمین اپنے بھائی کو دیتی ہے اس کو ہبہ کہتے ہیں۔ چونکہ اس طرح دینے میں ہبہ کے شرائط مفقود ہوتے ہیں۔ اس لیے صرف انتقال سے بہن کا حق ساقط نہیں ہوتا وہ خود یا بہن کی اولاد شرعاً یہ زمین واپس لے سکتی ہے۔ ؎

جہاں بہن سے زیادہ عزیز ہو دولت
وہاں خلوص خریدار کس نے دیکھا ہے

# میراث کے سرکاری فیصلے

ہمارے ملک میں جب میراث کا شرعی آئین منظور ہو چکا ہے تو جن عدالتوں کے پاس میراث کے مقدمے آتے ہیں انھیں چاہیے کہ ایسے

مقدموں میں نہایت عدل سے کام لیں کسی جبر و اکراہ یا غلط سفارش، رشوت کے لالچ میں پھنس کر میراث کے حقوق تلف نہ کریں۔ حاکم جب غلط فیصلہ لکھتا ہے تو اس کی انگلیوں کی حرکت میں چند منٹ صرف ہوتے ہیں اور جس کاغذ پر فیصلہ لکھتا ہے سیاہی سمیت اس پر چند ٹکے خرچ ہوتے ہیں۔ لیکن اس فیصلے کے تحت جس وارث کو محروم کیا گیا ہے حاکم کے یہ چند منٹ اس کی زندگی کے کتنے برس اجیرن کر دیتے ہیں اور چند ٹکے کا وہ کاغذ اسے ہزاروں روپے کی میراث سے محروم کر دیتا ہے۔ حاکم اس فیصلے کے بعد مطمئن ہو جاتا ہے کہ میرے حکم سے یہ کیس ختم ہو چکا ہے۔ دنیا کی طاقت ظلم کے کسی فیصلے کو ختم نہیں کر سکتی۔ بلکہ یہ فیصلہ حاکمِ حقیقی کی عدالت میں پیش ہونا ہے۔

ایک دن ایسا آئے گا کہ یہ حاکم ایک مجرم کی صورت میں شاہی عدالت کے سامنے پیش ہوگا۔ وہ ایسی عدالت ہے جہاں مجرم کی قوتِ گویائی بھی سلب کر لی جائے گی۔ سزا کے بغیر نجات کے تمام وسائل مسترد کر دیے جائیں گے۔

امام محمد بن واسع فرماتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے:۔

| | |
|---|---|
| اول من یدعی یوم القیامۃ القضاۃ۔ | قیامت کے دن سب سے پہلے جن کو حساب کے لیے پیش کیا جائے گا وہ |
| (بدور السافرۃ ص ۱۲) | عدالت کرنے والے حاکم ہوں گے۔ |

ائمہ فرماتے ہیں:۔

اگر کوئی حاکم کو رشوت دے کر یا جھوٹی شہادت سے میراث کا مقدمہ جیت لے تو شرعاً یہ فیصلہ کالعدم تصور کیا جائے گا۔ مقدمہ جیتنے کے باوجود اسے یہ غصب کردہ ترکہ واپس کرنا پڑے گا۔ مظلوم کے مال میں یہ تاثیر ہوتی ہے کہ جہاں اس کی آمیزش ہو جاتی ہے اس تمام مال کو برباد کر دیتا ہے۔ بربادی کے نتائج کو ہوس کی بصیرت ادراک نہیں کر سکتی مگر موت کے بعد اس کا ذرہ ذرہ عیاں ہو جائے گا۔ اگر کسی کے باپ نے اپنی بہن کو شرعی حصہ نہیں دیا تھا۔ باپ کے مرنے کے بعد اگر وہ بہن زندہ ہے تو جتنا حصہ باپ نے نہیں دیا تھا، اولاد پر فرض ہے کہ اپنی پھوپی کو وہ حصہ واپس کریں۔ دینے کے بعد جو کچھ بچ جائے باپ کے جتنے شرعی وارث موجود ہیں آپس میں تقسیم کر لیں۔ اگر کوئی آدمی بہن کی زمین پر عرصہ دراز تک قابض رہا ہے تو اس دیرینہ قبضہ سے اس میں میراث ساقط نہیں ہو جاتی۔ ائمہ احناف فرماتے ہیں:-

اگر کوئی وارث مشترکہ جائداد پر جبراً قابض ہو جائے اور دوسرے وارثوں کو کچھ نہ دے اور مشترکہ جائداد ایسی ہے کہ جس سے پیداوار ہوتی ہو یا دکانوں اور مکانوں کا کرایہ وصول ہوتا ہے تو جس وقت بھی یہ زمین اور مکان وارثوں میں تقسیم ہوں گے اگر اس نے وارثوں کی مرضی کے بغیر قبضہ کر رکھا تھا تو جس قدر وہ اس جائداد سے نفع اٹھاتا رہا وہ اس پر قرض چڑھتا رہا۔ تقسیم کے بعد جتنا نفع اب تک کھایا ہے وہ باقی وارثوں کو ادا کرنا پڑے گا۔ اگر ان وارثوں میں کوئی یتیم ہے تو اپنے حصہ کے منافع کو قانوناً بھی وصول

کرسکتا ہے۔

(حوالہ تنقیح الحامدیہ احسن الفتاوی ص۵۹۳)

# غصب کردہ جائداد کی بیع کا حکم

جو بھائی اپنی بہنوں کو جائداد میں سے ان کا حصہ نہیں دیتے اگر وہ اُس جائداد کو بیچنا چاہیں تو وہ شرعًا بیچنے کا اختیار نہیں رکھتے اس لیے کہ اس میں بہنوں کا حصہ شامل ہے۔ مشترکہ جائداد میں جب تک دوسرا شریک راضی نہ ہو اس کا بیچنا حرام ہے۔ عالمگیری میں ہے:۔

| | |
|---|---|
| اذا کانت الشرکۃ بسبب المیراث یجوز بیع احدھما نصیبہ من شریکہ ومن الاجنبی بعد اذن شریکہ ولا یملك التصرف فی نصیب شریکہ | اگر میراث کی وجہ سے مشترکہ جائداد ہے ایک حصہ دار اپنے دوسرے شریک کو یا غیر شریک کو اپنا حصہ بیچ سکتا ہے لیکن دوسرے شریک کی اجازت ضروری ہے ایک شریک کے حصہ میں دوسرا شریک کوئی تصرف نہیں کر سکتا۔ |

دوسری جگہ ہے:۔

| | |
|---|---|
| لو باع احدھما نصیبہ من اجنبی بغیر اذن الشریك لا یجوز۔ | اگر کوئی مشترکہ چیز اپنے شریک کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے کے ہاتھ بیچے گا تو ایسی بیع شرعًا حرام ہے۔ |

(عالمگیری)

اس سے معلوم ہوا کہ بھائی اپنی بہن کی غصب کردہ جائداد نہیں بیچ سکتا۔ مولانا نانوتویؒ نے فتویٰ دیا تھا کہ جن زمینوں میں بہنوں کے شرعی حقوق باقی ہیں ایسی زمین کا خریدنا ناجائز ہے۔

جو آدمی ایسی جائداد خریدے جس میں شرعی شرائط پورے نہ ہوں وہ آخرت میں بہت بھاری وبال میں گرفتار ہوگا۔ لہذا ایسی جائداد بالکل نہ خریدے۔ بعض لوگ ایسی جائداد میں صلح یا تبادلہ بھی کر لیتے ہیں۔ صلح کے اسلام میں نازک شرائط ہیں، علماء محققین سے پہلے صلح کی شرائط معلوم کرلیں پھر صلح کے لیے قدم اٹھائیں ورنہ عذابِ عظیم بھگتنا پڑے گا۔ صلح کی شرائط کا بیان اس مختصر رسالے میں نہیں ہو سکتا اس لیے اس بحث سے گریز کیا گیا ہے۔

نشاں با تو دادم اگر خدا داری

## مریض کی وصیّت

ایسے مرض کی حالت میں جس میں بچنے کی امید نہ ہو اگر مریض اپنے مال میں سے کسی کو لکھ دے یا دینے کا اقرار کرے اسے شریعت میں، وصیت کہتے ہیں۔ اس وقت اپنی جائداد میں تصرف کرنے کی اس لیے اجازت ہے کہ آخر وقت میں اس مالی اعانت سے اپنی کوتاہیوں کا کچھ نہ کچھ ازالہ کر سکے۔ یا اقارب میں سے بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو شرعاً اس کی میراث کچھ نہیں لے سکتے لیکن وہ اعانت کے قابل ہوتے ہیں

اگر چاہے تو وصیت کے مال سے ان کی اعانت ہو سکتی ہے مثلاً کسی کا ایک بھائی ہے جو کسی عذر کی وجہ سے کمانے کے قابل نہیں ہے وہ آدمی اگر مر جائے اور صاحب اولاد بھی ہو تو شرعاً اس معذور بھائی کو ورثہ تو نہیں مل سکتا اگر بھائی اپنی جائداد میں سے اس کے لیے کچھ وصیت کر جائے تو بے چارے کی زندگی اچھی گزر جائے گی اسی پر دوسرے غریب اقارب کو محمول کر لیں۔ اگر اقارب غریب نہ ہوں تو پھر کسی صدقہ جاریہ میں وصیت کر دے۔ وصیت کی شرعی مقدار تہائی مال ہے۔ اگر وارث بالکل غریب ہوں تو پھر تہائی سے کم تک بھی وصیت کر سکتا ہے یا نہ کرے۔ اگر غریب نہ ہوں تو پھر تہائی مال میں سے کرے۔ تہائی سے زائد جس قدر وصیت کرے گا وہ شرعاً باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ بعض اقارب کا حق ایسی وصیت سے تلف ہو جاتا ہے۔

امام ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں :-

| | |
|---|---|
| وان کان اوصیٰ فی | اگر اس نے غلط وصیت کی جس سے |
| ضرار لم تجز وصیۃ | دوسرے کو نقصان پہنچ رہا ہے ایسی |
| (تفسیر طبری ج۲ ص۱۲۲) | وصیت شرعاً باطل ہے۔ |

وصیت کا صحیح مصرف یہ ہے کہ جن اقارب کو شرعاً ورثہ نہیں مل سکتا اور ان کی مالی حالت کمزور ہے تو وصیت کی تہائی سے ان کی اعانت کرنے کا اسلام میں بڑا درجہ ہے جن وارثوں کو شرعاً ورثہ مل رہا ہے اگر ان کی خود مالی حالت خراب ہے اور وہ بہت خستہ حالی سے اپنے ایام بسر کر رہے ہیں پھر بہتر ہے کہ کسی کے لیے وصیت نہ کرے بلکہ تمام مال وارثوں کے

لیے چھوڑ دے۔ اگر خستہ حال نہیں ہیں تو پھر وصیت کا درجہ حاصل کرنے کے لیے ضرور وصیت کرے۔ لیکن اولیت یہ ہے کہ جو اقارب ورثہ سے محروم ہو رہے ہیں اور ساتھ ہی غریب بھی ہیں یہ تمام وصیت کا مال ان میں تقسیم کر دے۔ اگر اس نے ایسا نہ کیا تو ائمہ کرام فرماتے ہیں

| | |
|---|---|
| فان اوصٰی لغیر ذی قرابۃ فقد عمل بمعصیۃ الا ان لا یکون قرابۃ فیوصی لفقراء والمسلمین۔ تفسیر طبری ص ۱۱۶ ج ۲ | اگر کسی نے اپنے اقارب غریب چھوڑ کر دوسروں کے لیے وصیت کی تو وہ ایسے عمل سے گنہ گار ہو گیا۔ ہاں اگر اس کا کوئی قریبی رشتہ دار موجود نہ ہو تو پھر دوسرے غریب مسلمانوں کے لیے وصیت کر سکتا ہے۔ |

محدث ابن قدامہ فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| واما الفقیر الذی لہ ورثۃ محتاجون فلا یستحب لہ ان یوصٰی۔ (مغنی ص ۳/۶) | جو خود غریب ہو اور اس کے وارث بھی غریب ہوں تو اس کے لیے مستحب ہے کہ پھر کسی کے لیے وصیت نہ کرے۔ |

جس کے اقارب محض غریب ہوں اور وصیت کرنے والا ان غریب رشتہ داروں کے لیے وصیت نہ کرے بلکہ دوسروں کے حق میں وصیت کر دے خواہ وہ مسکین کیوں نہ ہوں تو تمام ائمہ کا اتفاق ہے

کہ یہ وصیت باطل ہو جائے گی۔

| | |
|---|---|
| ینزع عنھم ویرد الیٰ قرابتھم۔ | جو وصیت کا مال دوسروں کو دیا گیا ہو ان سے واپس لیا جائے گا اور غریب اقارب میں یہ مال تقسیم کیا جائے گا۔ |
| مغنی لابن قدامہ ص ۵ ج ۶ | احکام القرآن جصاص ص ۲۰۰ ج ۱ |
| ابن جریر ص ۱۱۷ ج ۲ | |

اگر حسب وصیت مال دوسرے لوگوں میں چلا جائے اور اقارب محتاج ہوں تو اس وصیت کا یہ حکم ہے کہ تمام مال ان سے واپس لے کر ان غریب اقارب میں تقسیم کیا جائے اور جو مال پہلے لے چکے ہیں ان کو بھی مناسب ہے کہ یہ مال واپس کر دیں۔

اسی طرح اگر کوئی کسی معصیت کے کام میں وصیت کر جائے جیسے کوئی شرابی کے لیے یا کسی بد مذہب کے لیے یا ان کے مذہبی اداروں کے لیے یا ایسے مقامات کے لیے جہاں شرک و بدعت ہوتا ہو ایسی وصیت شرعاً باطل ہے ایسی وصیت کو باطل کر کے اس مال کو وارث خود آپس میں تقسیم کر لیں یا ایسے غریب وارثوں میں تقسیم کر دیں جن کو ورثہ نہیں مل سکتا۔

غرضیکہ وصیت کا اصل مقصود یہ ہے کہ وصیت کا مال ایسی جگہ پر لگایا جائے کہ مرنے والے کو اس تصدق یا اعانت سے ثواب پہنچتا رہے۔

# مرض میں طلاق اور نکاح کا حکم

جن لوگوں کو شادیاں کرنے کا چسکا پڑ جاتا ہے ایسا شوق زیادہ تر امراء میں ہوتا ہے۔ جب ان کا آخری وقت آتا ہے تو وہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے مرنے کے بعد ان تمام بیویوں کو ورثہ ملے گا، اس مصیبت سے بچنے کے لیے کچھ عورتوں کی طلاق سے تطہیر کر دیتے ہیں۔ لیکن بعض دفعہ یہ لوگ الٹا پھنس جاتے ہیں۔ شریعت کے ساتھ دھوکہ کرنے والے کبھی جلدی پکڑے جاتے ہیں۔ اب بیماری میں طلاق دینے کا حکم سنیے:۔

امام اعظمؒ فرماتے ہیں:۔

اذا طلق المریض امراۃ ثم نکح اخری و مات من مرضہ فی عدۃ المطلقۃ ورثتاہ جمیعًا۔

مغنی لابن قدامہ صفحہ ۳۴۷ ج ۹

اگر کوئی مریض اپنی عورت کو طلاق دے پھر کسی دوسری عورت سے نکاح کرلے اور پھر اسی مطلقہ عورت کی عدت میں مر جائے تو وہ دونوں عورتیں اس خاوند کے ترکہ سے میراث پائیں گی۔

ایک مرد کی ایک بیوی ہے اس نے حالت مرض میں طلاق دیدی پھر کسی دوسری عورت سے اس نے نکاح کر لیا۔ ایک مہینہ نہ گزرا تھا کہ وہ مر گیا۔ اب یہ دونوں عورتیں اس خاوند سے میراث پائیں گی۔ مطلقہ عورت تو اس لیے میراث پائے گی کہ عدت ابھی باقی ہے۔ طلاق

طلاق کی مشہور عدت تین مہینے ہے۔ اسے ایک مہینہ گزرا تھا کہ طلاق دینے والا مرگیا اور چونکہ دو مہینے ابھی عدت کے باقی رہتے ہیں اس لیے شرعاً یہ میراث کی مستحق ہے۔

اسی طرح ایک آدمی سخت بیمار ہے لیکن اس کے ہوش وحواس قائم ہیں۔ اگر وہ اس حالت میں نکاح کرلے پھر تھوڑے دنوں کے بعد وہ مرجائے تو یہ منکوحہ عورت میراث حاصل کرے گی۔ اسی طرح اگر کسی نے مریضہ عورت سے نکاح کرلیا اور وہ ایسی مریض تھی کہ نکاح کے فوراً بعد فوت ہوگئی تو خاوند اس عورت کے ترکہ سے میراث حاصل کریگا۔ شریعت نے مریض کے نکاح کو برقرار رکھا ہے۔ بعض صحابہ مرض کی حالت میں نادار عورتوں سے نکاح کرلیتے تھے تاکہ وہ کسی طرح میراث سے فائدہ اٹھائیں۔ (مغنی لابن قدامہ۔ ص ۳۲۶ ج ۶)

اسی طرح کسی نے ایک عورت سے نکاح کر رکھا ہے۔ ابھی اس کی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ وہ مرد مرجاتا ہے تو وہ عورت جو اس کے گھر میں ایک دن بھی نہیں آئی، شریعت کے مطابق متوفی کے ترکہ سے میراث پائے گی۔ (مغنی ص۳۲۶ ج ۶)

**مریض کا ہبہ** مرض کی حالت میں مریض اپنے مال سے جس قدر ہبہ کرے گا یا کسی قسم کی خیرات کرے گا یہ سب وصیت کے حکم میں داخل ہیں۔ عالمگیری میں ہے:۔

ولا یجوز ہبۃ المریض ولا — مریض کا ہبہ یا خیرات تب صحیح

صدقۃ الا مقبوضۃ فاذا قبضۃ جازت من الثلث
فتاویٰ لکھنوی
ص ۳۱ ج ۳

ہو سکتی ہے جب تک لینے والا اس پر قبضہ نہ کر لے۔ جب قبضہ ہو جائے گا ہبہ یا خیرات جس قدر بھی ہے اس کے صرف تہائی مال سے نافذ ہو گی۔

اس کی دو صورتیں ہیں۔ اگر اس نے کسی کو حالتِ مرض میں اپنا نصف مال ہبہ کر دیا ہے اور لینے والے نے قبضہ بھی کر لیا ہے تو مرنے کے بعد تہائی مال میں سے لے سکتا ہے باقی مال وارثوں پر تقسیم ہو گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اگر کسی نے حالتِ صحت میں کسی کو اپنا نصف مال ہبہ کر دیا ابھی اس نے قبضہ نہیں کیا تھا کہ وہ سخت بیمار ہو گیا۔ اب حالتِ مرض میں اس نے قبضہ کرا دیا تو یہ قبضہ اس کا ناجائز ہے اگر وہ مرگیا تو اسے صرف تہائی مال میں سے ملے گا۔ کیونکہ مرض میں ہر قسم کا ہبہ وصیت کی صورت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

# وصیت سے نقصان پہنچانے کی صورتیں

میراث کو جن ذرائع سے سب سے زیادہ نقصان پہنچتا ہے اس کی دوسری صورت ناجائز وصیت ہے۔ اس غلط وصیت کے تحت بعض وارثوں کا حق تلف ہو جاتا ہے مسلمان کو چاہیے جب کسی کے نام وصیت کرے تو عدل سے کام لے۔ اگر عدل سے کام نہ لیا تو ایک تو شریعت کی مخالفت سے اخروی عذاب میں گرفتار ہو گا۔ دوسرے جس کا حق تلف کر کے

دوسرے کو دے رہا ہے تا زندگی ان کے درمیان نفرت وعداوت قائم ہو جائے گی اور یہ میراث کی نفرت نسلوں تک چلتی ہے۔ تیسرے اس کے مرنے کے بعد اس کی قبر ایک نفرین و ملامت کا ڈھیر بن جائے گی۔ جب کوئی اس کی قبر سے گزرے گا نفرت سے تھوکے گا مرنے کے بعد ظالم کی قبر کا ایسا ہی حال ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ وصیت میں نہایت عدل سے کام لینا چاہیے۔ اگر وصیت کرنے والا ایک غلط وصیت کا ارتکاب کر رہا ہے تو وارثوں کو چاہیے کہ ایسی وصیت پر عمل نہ کریں بلکہ انہیں پورا اختیار ہے کہ اسے درست کر کے تقسیم کریں۔

علامہ ابن عربی فرماتے ہیں:۔

"اگر کسی نے استطاعت کے باوجود غلط وصیت کی اصلاح نہ کی اور وہ وصیت نافذ ہو گئی تو اس میں اس کے تمام وارثوں کو آخرت میں مواخذہ ہوگا۔ اسی طرح حاکم کو بھی اختیار ہے کہ غلط وصیت کے تحت حکم نافذ نہ کرے بلکہ اسے صحیح صورت میں تبدیل کر دے اگر حاکم نے بھی جانتے ہوئے غلط فیصلہ کر دیا تو یہ حاکم بھی آخرت میں پکڑا جائے گا۔"

(احکام القرآن لابن عربی ص۱ ج۱)

قرآن میں ہے:۔

| | |
|---|---|
| مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصٰى بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ غَيۡرَ مُضَآرٍّ | وصیت نافذ کرنے اور قرض ادا کرنے کے بعد بقیہ ترکہ تقسیم کیا جائے وصیت کا |

نفاذ اس طرح ہو کہ اس سے کسی کو
ضرر نہ پہنچے۔

محدث ابنِ کثیرؒ فرماتے ہیں :۔
غیر مضار کا مفہوم یہ ہے کہ وصیت عدل پر کی گئی ہو جس میں کسی وارث کو نقصان نہ پہنچایا ہو یا کسی کو زیادہ نہ مل جائے۔

| | |
|---|---|
| فمن سعیٰ ذلک کان | جو شخص غلط وصیت کرنے کی |
| کمن ضاد اللہ فی | کوشش کرے وہ ایسا ہے جیسا کسی |
| حکمہ و شرعہ | نے اللہ کے حکم اور اس کی شریعت |
| ابن کثیر | کے ساتھ ٹکراؤ کیا لازمی ہے کہ وہ |
| ص ۱۶۴ ج ۱ | پاش پاش ہو جائے گا۔ |

حضرت ابن عباسؓ موقوف طریقے سے روایت کرتے ہیں :۔

| | |
|---|---|
| الاضرار فی الوصیۃ من | وصیت کرنے میں کسی کو نقصان پہنچانا |
| الکبائر (ایضاً) | کبائر میں سے ایک بدترین گناہ ہے |

اگر کوئی حالتِ مرض میں اپنے کسی وارث کے لیے اقرار کرے کہ میں فلاں چیز اپنے فلاں وارث کو دے چکا ہوں۔ اس میں نہ دوسرے وارثوں کو علم ہے اور نہ وہ اس میں راضی ہیں تو ایسا اقرار امام اعظم اور دوسرے ائمہ کے نزدیک باطل ہے کیونکہ ایسے اقرار میں دوسرے وارثوں کا حق تلف ہو رہا ہے لہذا ایسی وصیت اضرار میں داخل ہو جائے گی جو کہ ایک کبیرہ جرم ہے
(تفسیر ابن کثیر ص۱۶۴ ج ۱)

صحیح وصیت وہ ہے کہ جن شرائط کے ساتھ وصیت کی اجازت دی گئی ہے اس کے مطابق کرے۔ تہائی مال سے تجاوز نہ کرے۔ صحیحین میں مشہور واقعہ ہے کہ حضرت سعدؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس کافی مال ہے اور میرے پیچھے صرف ایک لڑکی ہے کیا میں اپنے مال میں دو تہائی مال کی وصیت نہ کر دوں؟ آپؐ نے فرمایا درست نہیں ہے پھر انہوں نے عرض کیا کہ کیا آدھے مال کی درست ہے آپؐ نے فرمایا نہیں۔ پھر عرض کیا کہ تہائی مال کی درست ہے؟ آپؐ نے فرمایا:۔

| | |
|---|---|
| والثلث کثیران تذر | یہ تہائی بھی بہت معلوم ہوتی ہے اگر |
| ورثتك اغنیاء خیر من | تو اپنے وارثوں کو اچھی حالت میں چھوڑ |
| ان تدعہم عالۃ یتکففون | جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ مفلسی کے |
| الناس۔ | عالم میں لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے |
| بخاری و مسلم | پھریں۔ |

میراث میں عدل کرنے کی آپؐ نے کتنی بہترین تشریح کی ہے اور آپؐ کو محروم وارثوں کا کتنا احساس ہے کہ وہ بے چارے سوال کی ذلت سے بچ جائیں۔ وہ کس قدر ظالم انسان ہیں جو اپنی بہنوں، لڑکیوں اور عورتوں کو محروم کر دیتے ہیں یا ورثہ ملنے کے بعد ان سے چھین لیتے ہیں۔ جب وہ بے سہارا ہو جاتی ہیں تو بعض دفعہ عصمت کے پاک گوشت کو ہوس کے کتوں کے آگے ڈال دیتی ہیں اس جرم میں انہیں جو کچھ وصول ہوتا ہے اس کا ثواب ان غاصبوں کی قبر میں بھیج دیتی ہیں۔

کون سی چیز تجھے قبر میں تحفہ بھیجوں
اشک بھیجوں کہ سلگتی ہوئی آہیں بھیجوں

وصیت کے ذریعے نقصان پہنچانے کی دوسری صورتیں یہ ہیں۔ امام ابن جصاص فرماتے ہیں:۔

کہ وصیت کے ذریعے یہ اقرار کرے کہ میں اپنی تمام جائداد یا جائداد کا ایک کثیر حصہ فلاں غیر آدمی کو دے چکا ہوں یا یوں کہے کہ میں نے فلاں آدمی کو اتنی رقم قرض میں دینی ہے حالانکہ اس پر ایک پائی بھی قرضہ نہیں ہے مقصود یہ ہے کہ اتنا مال وارثوں سے نکل کر فلاں کے ہاتھ میں چلا جائے۔ یا اقرار کرے کہ میں اپنی فلاں چیز فلاں آدمی کے ہاتھ بیچ چکا ہوں اور اس کی قیمت وصول کر کے کھا چکا ہوں۔ حالانکہ یہ محض ڈھونگ ہے۔ اس کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہے۔ یا حالتِ مرض میں تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کر دے یا کسی غریب یا دینی ادارے میں بطور خیرات کے دے دے۔ چونکہ یہ عمل تہائی مال سے زائد ہے اس لیے وہ اپنے وارثوں کو نقصان پہنچا رہا ہے۔
ایک صورت یہ ہے کہ اس طرح حیلہ کرے کہ باپ کو جس لڑکے سے طبعی محبت ہو اور چاہے کہ دوسرے لڑکوں سے اسے زیادہ مل جائے تو اس کے کسی لڑکے یعنی پوتے کے نام کچھ مال کی وصیت کر دے تاکہ پوتے کے ذریعے یہ مال میرے اس لڑکے کے گھر میں چلا جائے۔ یہ تمام صورتیں باطل وصیت کی قسم میں داخل ہیں۔

(احکام القرآن۔ ص ۲ ج ۱، ص ۱۲۱ ج ۲)

حالتِ مرض میں وصیت یا ہبہ کے ذریعے جو مال کسی کو دیا جاتا ہے چونکہ شریعت نے حالتِ مرض میں دینے کی ایک مقدار معین کر دی ہے اس لیے وصیت کرنے والا اس سے زیادہ کا اختیار نہیں رکھتا۔ اس کی حکمت یہ ہے۔ ائمہ کرام فرماتے ہیں:۔

جب آدمی بیمار ہو جاتا ہے اور اسے اپنے بچنے کی امید نہیں ہوتی تو یہ ایک ایسی حالت ہے کہ وہ بتدریج اپنے مال سے علیحدگی اختیار کر رہا ہے اور اس کے مال میں وارثوں کا حق متعلق ہو رہا ہے بس دم نکلنے کی دیر ہے کہ وہ اپنی جائداد سے منقطع ہو جائے گا اور وارث اس کے حق دار بن جائیں گے حالتِ مرض میں جب کہ وہ اپنے اختیارات سے آہستہ آہستہ مسلوب ہو رہا ہے تو شرعاً اسے اجازت نہیں ہے کہ وارثوں کے حقوق میں اپنے اختیار کو استعمال کرے جب کہ وہ تھوڑی دیر کے بعد اپنی جائداد سے ہاتھ دھونے والا ہے۔ (عالمگیری. ص۱۱۲ فتح القدیر ص۳۰۱ ج۴)

اس لیے حالتِ مرض میں جو بھی غلط اقدام کرے گا دوسروں کے حقوق میں ناجائز تصرف کرنے کا اسے عذاب ملے گا۔ ایک بزرگ رات کو فوت ہو رہے تھے روشنی کے لیے چراغ جل رہا تھا۔ جب دم ٹوٹنے لگا تو فرمایا یہ چراغ بجھا دو۔ کیونکہ موت سے قبل میں اس چراغ کا مالک تھا۔ اب جب کہ میں مر رہا ہوں میرے مرنے کے بعد اس چراغ کے تمام وارث مالک بن جائیں گے۔ اب ان کی مرضی پر موقوف ہے کہ وہ اپنی اجازت سے جلتا رہنے دیں یا اسے آپس میں تقسیم کر لیں۔

# وارث کے لیے وصیت کا حکم

میراث میں جتنے وارث حق دار ہو سکتے ہیں شریعت میں ہر ایک کا حصہ مقرر کر دیا گیا ہے۔ اس لیے کسی کو یہ حق نہیں دیا گیا کہ وصیت کے ذریعے کسی وارث کو اس کے اصلی حق سے زائد دے یا کم جبکہ وہ میراث کے شرعی حقوق سے اپنا اصلی حق وصول کر رہا ہے تو پھر کیسے مناسب ہے کہ کسی دوسرے طریقے سے زائد مال وصول کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

| | |
|---|---|
| ان اللہ قد اعطی کل | اللہ تعالیٰ نے ہر ایک وارث کو اس کا |
| ذی حق حقہ فلا | حق دے دیا ہے اس لیے کسی وارث |
| وصیۃ لوارث | کے حق میں وصیت کرنا درست نہیں ہے |
| ابو داؤد۔ ترمذی | (تاکہ وصیت کے ذریعے دوسروں کا |
| ابن ماجہ | حق تلف نہ کرے) |

لیکن ایک دوسری حدیث میں ہے :-

| | |
|---|---|
| لا تجوز الوصیۃ لوارث | کسی وارث کے حق میں وصیت کرنا |
| الا ان یشاء الورثۃ | درست نہیں ہاں اگر دوسرے وارث |
| (دارقطنی نصب الرایہ ص۴۰۴) | اس کی اجازت دیں۔ |

محدثین نے اس حدیث کی سند پر جرح بھی کی ہے لیکن وہ جرح ایسی نہ تھی کہ عمل کے قابل بھی نہ رہے۔ دوسرے اس میں ضرر کا جو خدشہ تھا وہ مرفوع ہو گیا یہ اس لیے کہ اس کا عمل وارثوں کی اجازت کے ساتھ

مشروط ہے۔ جب وارث اپنی خوشی سے اپنے حق میں سے دینے کی اجازت دے رہے ہیں تو ضرر کا خدشہ ختم ہوگیا۔ ائمہ کرام اس حدیث کا مفہوم دو صورتوں میں کرتے ہیں۔ ایک تو وہ جو حدیث کے صریح الفاظ میں واضح ہے کہ وارث اپنے حق سے زائد تب لے سکتا ہے جب کہ دوسرے وارث اس کی اجازت دے دیں۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اگر وارث کے علاوہ کسی دوسرے نیک مصرف میں یا اپنی زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی کے لیے تہائی مال سے زائد کی وصیت کرے تو وارثوں کی اجازت سے کر سکتا ہے۔

وکذلك ما اوصی به من حجة او زكوة وغير ذلك هو من الثلث الا ان يجيز الورثة من جميع المال فيجوز وهو قول ابی حنيفة۔

كتاب الآثار امام محمدؒ ص ۲۲۹

اگر کسی نے زندگی میں حج اور زکوٰۃ کی ادائیگی چھوڑ دی تھی اگر ان کی ادائیگی کی وصیت کرے تو یہ ادائیگی تہائی مال سے ہوگی۔ اگر اس تہائی سے پوری ادائیگی نہ ہوسکے تو وارث تہائی سے زائد مال کی اجازت بھی دے سکتے ہیں۔ یہی امام اعظم کا مسلک ہے۔

بعض ائمہ تو وارثوں کی اجازت کے جواز کو بالکل منع کرتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ اس میں وارثوں کی حق تلفی کا احتمال ہے۔ بعض دفعہ اجازت جبر واکراہ یا کسی دوسری صورت سے بھی لی جاسکتی ہے جس سے لازمًا وارثوں کو نقصان آئے گا۔ اس لیے وہ سرے سے اجازت

کے قائل ہی نہیں ہیں۔ اور امام مالکؒ اجازت کی بعض صورتوں کو مستثنیٰ کرتے ہیں۔ امام جصاص نے اشتباہ کی تمام صورتوں کو دور کرتے ہوئے نفیس جواب دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں :۔

ایک آدمی حالتِ مرض میں یہ چاہتا ہے کہ میں فلاں وارث کے لیے اپنے مال کی وصیت کروں۔ اس بات کی باقی وارث بھی اجازت دیدیتے ہیں۔ ان کی اس اجازت کا موت کے بعد اعتبار کیا جائے گا کیونکہ جس وقت یہ وارث اجازت دے رہے ہیں اس وقت یہ حقوقِ وراثت پر پورے قابض نہیں ہیں کیونکہ حالتِ بیماری میں کسی کا ورثہ ثابت نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ مر نہ جائے۔ اب جب کہ وصیت کرنے والا مر گیا تو بقیہ وارث ورثہ کے پورے مستحق ہو گئے اس وقت اگر وہ اپنی سابقہ اجازت کو بحال رکھیں یا اس میں رد و بدل کر دیں یا اس وصیت کو قطعاً منسوخ کر دیں ان تمام باتوں کا وارثوں کو کلی اختیار ہے کیونکہ وارث کے حق میں وصیت درست نہیں تھی اور جو مال اسے دیا جا رہا تھا اس میں دوسرے وارثوں کا حق تھا جب بقیہ وارث اپنے اپنے حصہ کے مالک ہو گئے اب ان کی مرضی ہے چاہے دیں یا نہ دیں۔

فقال ابوحنیفۃ و ابویوسف و محمد اذا اجازوہ فی حیاتہ لم یجز ذلک حتی یجیزوہ بعد الموت ۔

احکام القرآن ص۱۹۶ ج۲

امام ابوحنیفہ امام ابویوسف اور امام محمد فرماتے ہیں اگر باقی وارث وصیت کرنے والے کی زندگی میں اجازت دیں تو یہ اجازت درست نہیں ہے ہاں اگر وہ موت کے بعد

اجازت دیں تو درست ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی حالتِ بیماری میں اپنے بیٹے یا بیوی کو اپنی جائداد میں سے کوئی چیز بطور ہبہ یا وصیت کے ذریعے لکھ دے یا اسی وقت ان کو دیدے اگر دوسرے وارثوں سے نہ اجازت لے اور نہ ان سے پوچھے تو یہ چیز باقی وارث اس سے جبراً واپس لے سکتے ہیں۔ اگر باقی وارث اس وقت پوری رضامندی سے اجازت بھی دے دیں تو مرنے کے بعد اس وصیت پر تب ہی عمل ہوگا کہ وہ تمام وارث اپنی اجازت کو باقی رکھیں۔ اگر کچھ باقی رکھیں اور کچھ اپنی اجازت واپس لے لیں تو جو وارث اپنی اجازت پر قائم ہیں صرف ان کے حصہ سے اس وصیت کا نفاذ ہوگا اور جو وارث اجازت نہیں دیتے وہ اپنا پورا حصہ وصول کریں گے۔ اور اگر تمام وارث اس اجازت کو رد کر دیں تو وصیت نامہ باطل ہو جائے گا خواہ یہ وصیت قانونی طور کیوں نہ تحریر ہو چکی ہو۔ بعض وارث مریض سے کچھ تحریر کرا لیتے ہیں اور بعض دفعہ اس تحریر کی رجسٹری بھی کرا لیتے ہیں اس طریقے سے دوسرے وارثوں کا حق چھین لیتے ہیں۔ شرعاً ایسی وصیت کا نفاذ بالکل باطل ہے۔

# ناجائز وصیّت کا حکم

مریض کو شرعاً یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنی تہائی جائداد سے ہر مصرف کے لیے وصیت کر سکتا ہے لیکن بعض وصیتیں ایسی ہوتی ہیں جن سے وارثوں کا کچھ حق تلف ہو جاتا ہے اور وہ بعض وصیتیں فی نفسہ گناہ کا موجب بن جاتی ہیں۔

ائمہ کرام نے ایسی عام وصیتوں سے منع کر دیا ہے وارثوں کو چاہیے کہ ان وصیتوں کو صحیح صورتوں میں تبدیل کر دیں یا انہیں بالکل منسوخ کر دیں۔

جن وصیتوں سے وارثوں کے حق تلف ہونے کا امکان ہے وہ یہ ہیں:۔

۱۔ عورت اگر اپنے حق مہر سے کفن کی وصیت کرے تو یہ باطل ہے کیونکہ اس کے کفن کا خرچ تو اس کے خاوند کے ذمہ ہے اور حق مہر میں میراث جاری ہو گی اس لیے وارثوں کا حق مارا جائے گا۔ (بحر الرائق ص ۴۵۳ ج ۲)

۲۔ پختہ قبر یا روضہ بنانے کی وصیت کر جائے۔ یہ وصیت باطل ہے کیونکہ ایسی چیزیں شرعاً ناجائز ہیں۔ اگر اس وصیت پر عمل کیا جائے تو لامحالہ وارثوں کی حق تلفی ہو گی۔ (در المختار ص ۳۲۲ ج ۲)

۳۔ اگر کوئی وصیت کرے کہ میرے کفن پر فلاں قیمتی کپڑا خرچ کیا جائے یہ وصیت بھی باطل ہے۔ اس میں بھی وارثوں کے مال میں حق تلفی ہو جائے گی۔

(ایضاً)

۴۔ اگر وصیت کرے کہ مجھے فلاں شہر میں دفن کیا جائے اور وہاں لاش کے لے جانے پر کافی مصارف خرچ ہوتے ہوں تو یہ وصیت بھی باطل ہے اس میں بھی وہی سبب موجود ہے۔ (ایضاً)

۵۔ اگر یہ وصیت کر جائے کہ میرے اقارب کو تین دن تک کھانا کھلایا جائے۔ اقارب میت پر جمع ہوتے ہیں تو عورتیں وغیرہ بین کرتی ہیں اور چلا چلا کر روتی ہیں۔ بین کر کے رونا شرعاً ناجائز ہے اس لیے بین کرنے والوں کو کھانا کھلانا وصیت کے ذریعے درست نہیں ہے۔ (ایضاً)

ان کی روشنی میں ایسی دوسری وصیتوں کا حکم بھی معلوم ہو سکتا ہے بعض ایسی وصیتیں ہوتی ہیں جن میں صرف معصیت کا ارتکاب ہوتا ہے یا ایسے امور کے کرنے سے مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ یہ ہیں :۔

۱۔ اگر کوئی وصیت کر جائے کہ میرا جنازہ فلاں بزرگ یا عالم پڑھائے تو ایسی وصیت درست نہیں ہے اس کا مقصد تو نیک ہے لیکن بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ بزرگ کہیں دور رہتا ہے اس کو لانے کے لیے کافی مصارف پڑتے ہیں پھر اس کے انتظار میں میت کو حبس کر کے رکھ دیا جاتا ہے اس لیے ایسی کلفت کی وجہ سے ائمہ نے یہ وصیت ناجائز قرار دی ہے۔ (البحر الرائق ج۸ ص۴۵۲ در المختار ج۲ ص۳۲۲)

۲۔ اگر کوئی وصیت کر جائے کہ میری قبر پر اتنے دن تک قرآن پڑھوایا جائے یہ وصیت بھی درست نہیں ہے (ایضاً)

اکثر یہی رواج ہے کہ قبروں پر جو حافظ قرآن پڑھتے ہیں وہ اجرت کے بغیر بالکل نہیں پڑھتے۔ ائمہ احناف کے نزدیک اجرت پر جو قرآن مجید پڑھا جاتا ہے اس کا ایصال ثواب بالکل نہیں ہو سکتا۔ جب اجرت کی وجہ سے پڑھنے والے کو ثواب نہیں ملتا تو وہ مردے کو خاک ارسال کرے گا۔ اگر کوئی نیک حافظ اجرت نہ بھی لے پھر بھی وصیت سے یہ عمل نافذ نہ ہوگا کیونکہ بلا وجہ اسے حبس کر کے پڑھایا جائے گا۔

# میراث کا ترکہ

اسلام میں ترکہ کی یہ تعریف ہے :۔

| | |
| --- | --- |
| الترکۃ ما ترکہ المیت من الاموال صافیا عن تعلق حق الغیر۔ | ایسی ہر چیز جس میں دوسرے کا کوئی تعلق نہ ہو میت کے چھوڑ جانے سے ترکہ میں داخل ہو جاتی ہے۔ |
| (فتاویٰ رشیدیہ صـ۱۳۲ ج ۲) | |

امام ابن حاجؒ فرماتے ہیں :۔

میت کو غسل دینے والا اگر غسل دیتے وقت کپاس زیادہ استعمال کرے تو میت کے ترکہ میں زیادہ تصرف کرنے پر اس سے مواخذہ ہوگا۔

(مدخل الشرع صـ۲۴۲ ج ۳)

سید اصغر حسین محدثؒ لکھتے ہیں :۔

اگر میت کی جیب میں ایک الائچی بھی موجود ہو تو کوئی وارث دوسرے وارثوں کی اجازت کے بغیر اسے استعمال نہیں کر سکتا۔

(مفید الوارثین صـ۹)

بعض لوگ کسی بزرگ کی تسبیح یا ٹوپی مرنے کے بعد تبرکاً لے لیتے ہیں جب تک میراث تقسیم نہ ہو وارثوں کی اجازت کے بغیر کوئی چھوٹی سی چیز بھی تبرکاً نہیں لے سکتا۔ ایک گداگر سڑک پر گر کر مر جاتا ہے اس کے پاس ایک لاٹھی اور پیالہ اور گدڑی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے یہ چیزیں بھی میراث میں داخل ہیں خواہ ان کی قیمت چند پائی کے برابر ہی ہو۔

غرضیکہ مرنے کے بعد جو چیز بھی چھوڑ جائے خواہ وہ کتنی ہی قلیل و حقیر کیوں نہ ہو سب میراث میں داخل ہیں۔

۱۔ اگر کسی نے اپنی لڑکی کو جہیز میں زیور۔ کپڑے یا مکان دیا ہے تو یہ سامان لڑکی کی ملکیت کہلاتا ہے۔ لڑکی کے مرنے کے بعد اسے میراث کے طریقے پر تقسیم کیا جائے گا۔ باپ جہیز میں دی ہوئی چیز کو قطعاً واپس نہیں لے سکتا۔

(عالمگیری ص۱۰۷ ج ۷)

۲۔ عورت کو خاوند کی طرف سے جو کچھ حق مہر میں ملتا ہے وہ عورت کی ملکیت کہلاتا ہے۔ عورت کے مرنے کے بعد حق مہر کی ہر چیز وارثوں میں تقسیم ہوگی۔ (عالمگیری ج۷ ص۱۲۵، امدادیہ ص۱۲۲ ج ۳)

۳۔ جس نے اپنی زندگی میں حرام مال جمع کیا ہے اگرچہ بعض فقہا نے اسے ورثہ میں داخل کیا ہے لیکن ان کی یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ حرام مال جیسے جمع کرنے والے کے لیے حرام ہے اسی طرح وارثوں کے لیے بھی حرام ہے۔ ایک آدمی نے کسی سے ناجائز طریقے سے کوئی چیز چھین لی تھی اگر وہ چیز بعینہ موجود ہے اور جس سے وہ چیز چھینی تھی وہ بھی موجود ہے تو وارثوں پر لازم ہے کہ وہ چیز اسے واپس کریں۔ اگر چیز موجود نہیں تو اس کی قیمت ادا کریں اگر چیز تو موجود ہے لیکن اس کے مالک کا کوئی پتہ نہیں چلتا تو وہ چیز اس کی طرف سے خیرات کر دیں۔ (ردالمحتار۔ امدادیہ ص۱۲۳ ج ۳)

۴۔ جس کے زنا سے کوئی بچہ پیدا ہوا ہے۔ چونکہ اس بچہ کا اس زانی سے نسب ثابت نہیں ہو سکتا اس لیے اس کی میراث بھی حاصل نہیں کر سکتا۔

اور جس ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے اس سے اس کا نسب ثابت ہے اس لیے اپنی ماں کی جائداد سے یہ ولدالزنا میراث حاصل کریگا۔

(درالمختار۔ امدادیہ ص۱۱۶ ج ۳)

۵۔ کسی کے گھر بچہ یا بچی پیدا ہوئی پیدا ہونے کے بعد اس کی ماں یا باپ مر جائے۔ ان کی موت کے چند ساعت بعد یہ بچہ بھی مر جائے تو اس بچے کو اپنی ماں یا باپ سے میراث ملے گی۔ اس کے بعد پھر بچے کی میراث تقسیم ہو گی ایسے حادثے واقع ہو جاتے ہیں مگر لوگ پروا نہیں کرتے اور میراث کی تقسیم میں بہت کچھ خلل واقع ہو جاتا ہے۔ (نیل الاوطار)

۶۔ مریدوں کی طرف سے پیروں کو جو نذرانے اور تحائف وصول ہوتے ہیں وہ ہبہ کرنے کے بعد پیر کی ملکیت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں عام عرف میں مریدوں کی یہی نیت ہوتی ہے کہ ان چیزوں کو پیر کی تمام اولاد استعمال کرے اس لیے پیر کی ان تمام چیزوں میں میراث جاری ہو گی۔

(فتاوی رشیدیہ ص۱۳۲ ج ۳)

ہاں اگر کوئی ٹھگ پیر ہے جو پیر ہونے کی اہلیت نہیں رکھتا اس نے اپنے مریدوں سے جس قدر مال جمع کر رکھا ہے وہ سارا حرام مال ہے مرنے کے بعد اس میں میراث جاری نہ ہو گی بلکہ بعینہ وہ مال ان مریدوں کو واپس کرنا پڑے گا جیسا کہ حرام مال کی میراث میں طریقہ گزر چکا ہے۔

۷۔ یہ عام رواج ہے کہ جب کوئی مولوی صاحب فوت ہوتے ہیں ان کی کتابوں کو کسی دینی ادارے میں یا کسی مدرسے میں دیدیتے ہیں یا مولوی صاحب کی

اولاد میں سے جو عالم ہوتا ہے وہ ان سب کتابوں پر قابض ہو جاتا ہے۔
جب مولوی صاحب کی عینک اور لاٹھی میں بھی میراث ہے کتابیں تو ہزاروں روپے تک چلی جاتی ہیں۔ ائمہ فقہاء فرماتے ہیں:۔

اگر مقروض کے پاس قرضہ ادا کرنے کے لیے اور کوئی چیز نہ ہو صرف کتابیں موجود ہوں تو حکم ہے کہ وہ کتابیں بیچ کر اپنا قرضہ ادا کرے۔

(در المختار ص ۱۲۹ ج ۱)

جب کتابوں سے قرضہ ادا ہو سکتا ہے چونکہ یہ مال ہے اس لیے ان دینی کتابوں میں میراث جاری ہو گی۔ ترکہ کی تعریف میں گزر چکا ہے کہ جو کچھ میت چھوڑ جائے ان سب چیزوں میں میراث جاری ہو گی۔

(فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۳۲ ج ۳ امداد یہ ص ۹۸ ج ۳)

۸۔ پیروں کے مہمان خانے میں لنگر کے جتنے برتن اور دوسری اشیاء موجود ہوتی ہیں ان سب میں میراث جاری ہو گی۔ مہمانوں کے لیے جو بستر اور چارپائیاں مہمان خانے میں موجود ہیں یہ سب میراث میں داخل ہوں گی سجادہ نشین کو قطعاً اجازت نہیں ہے کہ انہیں اپنے ذاتی استعمال میں لائے

فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۲۴ ج ۳

۹۔ شادی کے موقع پر جو برادری کی طرف سے نیوتہ میں پیسے یا کپڑے وصول کیے جاتے ہیں یہ تمام چیزیں قرض میں داخل ہیں کیونکہ باقاعدہ ان کو تحریر میں لایا جاتا ہے اور پھر انہیں ان مواقع میں واپس ادا کیا جاتا ہے۔

فتاویٰ شامی کتاب الہبہ۔ فتاویٰ خیریہ ص ۱۱۱ ج ۲

امام ابن عمادؒ نے کتاب الذریعہ میں لکھا ہے :-
شادی اور ختنہ کے موقعہ پر جو کپڑے یا پیسے وصول کیے جاتے ہیں پھر ان کا معاوضہ بھی دیا جاتا ہے اگر کسی کے ذمہ برادری کا قرضہ باقی رہ جائے اور وہ مرجائے تو اس کی میراث سے یہ قرضہ اُتارا جائے گا۔
(نزہتہ المجالس ص ۳۴۴ ج ۱)

اگر مرنے والے نے نہ ایسے قرض کی ادائیگی کی اور نہ اس کے پچھلے وارثوں نے اس کے ورثہ سے ادا کیا تو اس شادی کا ادھار قبر میں بربادی کا باعث بن جائے گا۔

ترے کام کچھ نہ آیا یہ کمالِ نے نوازی

# میراث کے تقسیم کرنے کا طریقہ

وارثوں میں ترکہ تقسیم کرنے سے پہلے تین چیزیں مقدم ہیں تجہیز (۱) و تکفین۔ قرض (۲) کی ادائگی اور وصیت (۳) کا نفاذ۔ تجہیز و تکفین شرعی طریقے پر کی جائے۔ اگر اس میں اسراف کیا گیا تو اس میں دو (۲) نقصان ہوں گے۔ ایک تو یہ کہ وارثوں کے حصہ میں کمی آجائے گی۔ دوسرے اگر اس پر اتنا قرضہ ہے کہ تمام ترکہ قرض خواہ لے جائیں گے تو تجہیز میں اسراف سے ان قرض خواہوں کا حق مارا جائے گا اور بقیہ قرض کا وبال میت کے سر پر رہے گا۔ اگر وارثوں کی اجازت سے یہ اسراف کیا گیا ہے تو جتنا زیادہ خرچہ کیا گیا ہے وہ ان وارثوں سے بطور تاوان وصول کیا جائے گا۔ اگر میت کے ذمہ قرض نہیں ہے تو ان کے حصوں میں محسوب

کیا جائے گا اگر ورثا میں کچھ نابالغ ہیں تو ان پر کوئی تاوان نہیں آئے گا بلکہ صرف بالغ وارثوں کے حصہ سے کاٹا جائے گا۔ یا قرض کی صورت میں ان کو بطور تاوان ادا کرنا پڑے گا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص پانچ سو روپے کی جائداد چھوڑ گیا ہے اور اس پر چار سو روپے کا قرض ہے اس کی تجہیز و تکفین پر شرعی طریقے سے ایک سو روپے خرچ آتا تھا لیکن اس کے وارث نے ڈیڑھ سو روپے لگا دیے۔ اب باقی ترکہ میں ساڑھے تین سو روپے بچے اور قرض خواہوں نے چار سو روپے لینے ہیں۔ پچاس روپے جو زائد خرچ ہوا ہے یہ وارث بطور تاوان کے قرض خواہوں کو ادا کرے گا۔ اگر قرضہ نہیں ہے تو بقیہ چار سو جو وارثوں میں تقسیم ہونا تھا ان کو پچاس روپے کم ملے جس وارث نے یہ اسراف کیا ہے اس کے حصہ سے یہ پچاس روپے کاٹ کر دوسرے وارثوں میں تقسیم کر دیے جائیں گے۔ اسی طرح ایصالِ ثواب میں جو غیر شرعی طور پر خرچ کیا جاتا ہے اس کا بھی یہی حکم ہے جو وارث اس کی اجازت دیں گے، ان کے حصوں سے کاٹ لیا جائے گا۔ مولوی صاحب کو جا نماز کا جو کپڑا دیا جاتا ہے وہ بھی اسراف میں داخل ہے اس کا تاوان مولوی صاحب کو ادا کرنا پڑے گا۔ تجہیز و تکفین کے بعد اس کی کل جائداد سے اس کا قرضہ ادا کیا جائے گا۔ اگر قرضہ اس کے ترکہ کے برابر ہے تو یہ تمام ترکہ قرض خواہ لے جائیں گے وارثوں کو کچھ بھی نہ ملے گا۔ اگر قرضہ ترکہ سے زیادہ ہے تو ہر قرض خواہ میں قرض کی نسبت سے بقیہ مال تقسیم ہوگا۔

مثلاً تجہیز و تکفین کے بعد جو کچھ باقی ترکہ بچا ہے اس سے دوگنا قرضہ ہے مثلاً چار سو بچا ہے اور آٹھ سو کا قرضہ ہے۔ اور قرض خواہ تین ہیں۔ زید نے

دو سو روپے لینے ہیں، رشید نے پانچ سو روپے اور خالد نے ایک سو روپے۔ اب ہر ایک قرض خواہ اصل قرض سے نصف لینا پڑے گا۔ زید ایک سو روپے، رشید ڈھائی سو روپے اور خالد پچاس روپے لے گا۔ اس طرح چار سو روپے قرض میں ختم ہو جائیں گے۔ قرض کی دوسری قسم اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں۔ اگر کوئی اپنی زندگی میں زکوٰۃ، نماز اور حج ادا نہ کرے تو یہ حقوق کسی طرح معاف نہیں ہو سکتے۔ ان کی ادائگی کا جرمانہ اس کے مال سے ادا کرنا ضروری ہے اس کی آسان صورت یہ ہے کہ ان حقوق کے لیے وارثوں کو وصیت کر جائے وارثوں پر واجب ہے کہ اس کے تہائی مال سے یہ حقوق پورے کریں اگر تہائی مال سے یہ حقوق پورے نہ ہوں تو وارثوں کو اختیار ہے کہ اپنے حصوں سے بھی ادا کر سکتے ہیں۔ اگر مرنے والا وصیت نہ کر جائے تو پھر وارثوں کی مرضی پر موقوف ہے خواہ وہ اسے ادا کریں یا نہ کریں۔ مال سے ان حقوق کا کفارہ کیسے ادا ہو سکتا ہے محقق علماء سے دریافت کر کے ان کی ادائگی کے لیے اپنے مال کی تہائی سے وصیت کر دیں۔ حدیث میں ہے کہ وصیت کی اجازت اس لیے دی گئی ہے تاکہ اپنی کوتاہیوں کا کچھ نہ کچھ آخری وقت ازالہ کر جائے۔

تجہیز و تکفین، قرض کی ادائگی اور وصیت کے نفاذ کے بعد ترکہ میں سے جو کچھ بچ جائے عدل کے ساتھ تمام وارثوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ میراث میں عدل نہ کرنے سے کسی کا حق دوسرے کے حصے میں چلا جاتا ہے اس طرح اس کا تمام مال حرام ہو جاتا ہے۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جو مسلمان اپنی جائداد شرعی طریقے پر تقسیم نہیں کرتے علماء کے لیے مناسب ہے کہ ایسے لوگوں سے کسی قسم کا چندہ قبول نہ کریں۔ کیونکہ چندہ کا مال دینی اداروں میں خرچ ہوتا ہے۔ یہ بالکل غیر مناسب ہے کہ حرام کا مال دین کے کاموں میں لگایا جائے۔ شراب اگر گھر میں بیٹھ کر پی لی جائے تو کون اسے جائز سمجھتا ہے لیکن مسجد میں بیٹھ کر پی لے تو یہ جرم کتنا عظیم بن جائے گا۔ اسی طرح پیروں کو بھی مناسب ہے کہ ایسے مریدوں سے کوئی چیز قبول نہ کریں اور نہ ان کے گھروں کی دعوت کھائیں

مرید سادہ تو رو رو کے ہو گیا تائب
خدا کرے کہ ملے شیخ کو بھی یہ توفیق

# ایک بغاوت

لڑکی جب شعور کی منزل میں قدم رکھتی ہے تو اسے رفتہ رفتہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ عن قریب میں والدین کے الطاف سے جدا ہونے والی ہوں پھر وہ حسرتوں کے سائے میں اکیلی بیٹھ کر سوچتی ہے کہ میرے باپ کی اتنی مربعے زمین، اتنے باغات، یہ خوبصورت بلڈنگ کیا مجھے بھی ان میں سے کچھ ملے گا؟ سماج کے بھیانک سائے سے آواز آتی ہے کتنی نادان ہے تو! باپ کے مرنے کے بعد لڑکی کو صرف یتیمی ملا کرتی ہے ورثہ نہیں ملا کرتا جائداد تو ہمیشہ بھائیوں کو ملا کرتی ہے۔ یہ جواب سن کر اس کا دل بیٹھ جاتا ہے اور کہتی ہے جب میں ورثے کی مالک نہیں تو کیا وہ میرے وجود کے

مالک ہوسکتے ہیں ؟ ان کو کیا اختیار ہے کہ جس کے ساتھ چاہیں ہمیشہ کے لیے اس کی قید میں ڈال دیں۔ اے ظالم سماج ! مجھے یہ بتا اگر میں ان سے باغی ہوجاؤں تو کوئی جرم تو نہیں ؟ سماج کہتا ہے اری نادان ! شریف لڑکیاں والدین سے بغاوت نہیں کرتیں۔ لوگ کیا کہیں گے، مذہب کیا کہے گا اور قوم کیا کہے گی۔ لڑکی جل کر جواب دیتی ہے او ملعون سماج !

جب یہ لوگ ورثہ نہ دینے میں خدا کے باغی ہوسکتے ہیں تو کیا مجھے ایسے انسانوں کی بغاوت کرنا جرم ہے۔ اس کے بعد وہ رات کو سامان باندھ کر فرار ہوجاتی ہے ؎

جذبہ انہیں ترقیٔ دختر کا تھا بہت
ورثہ جو کھا گئے تو وہ آخر نکل گئی

(ایک لڑکی جو "اس بازار" میں پہنچ گئی

# میراث کی بشارت اور وعید

وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا

اور تم لوگ میراث کا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال سے تم لوگ بہت ہی محبت رکھتے ہو

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مال کی ہوس نے تمہیں اس قدر اندھا کر رکھا ہے کہ دوسروں کی میراث سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور اپنے انجام کا فکر تک نہیں رکھتے

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰہِ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ یُدْخِلْہُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا وَذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ. وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَتَعَدَّ حُدُوْدَہٗ یُدْخِلْہُ نَارًا خَالِدًا فِیْھَا وَلَہٗ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ ۵ (وارثوں میں ترکہ تقسیم کرنا یہ حصے خداوندی ضابطے ہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ اور رسول کی پوری اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ اسے ایسی بہشتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں ہونگی ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہانہ مانے اور بالکل ہی اس کے ضابطوں سے نکل جائے یعنی میراث میں کسی کا حق کھاجائے یا ہیر پھیر کرے اس کو آگ میں داخل کریں گے اس طور سے کہ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ اور ایسی سزا ملے گی جس میں اسے کافی ذلت اٹھانی پڑیگی)

کائنات کی میراث کا جو حقیقی مالک ہے اس نے میراث پر عمل کرنے اور نہ کرنے والے کا انجام پہلے ہی بتلا دیا ہے۔ اس انجام کا فاصلہ کچھ دور نہیں ہے صرف مرنے کی دیر ہے جو کچھ تیار شدہ ہے فوراً آپ کو مل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ نہ تو جھوٹا ہو سکتا ہے اور نہ اس کی بات کو کوئی ٹال سکتا ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِمُؤَلِّفِہٖ وَلِقَارِئِہٖ

خاکسار

ابو الخیر اسدی

۳۰/۱/۸۴ھ